نوائے انقلاب

مولانا غلام غوث ہزاروی

کے

انٹرویوز اور تقاریر کا مجموعہ

عزیز پبلیکیشنز

۵۶ - میکلوڈ روڈ ، لاہور

مولانا غلام غوث ہزاروی مدظلہٗ

آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے ہیں۔ متعدد کتب میں احقر کے ہم سبق رہے ہیں۔ علمی استعداد شروع سے مضبوط تھی۔ اصل وطن ضلع ہزارہ (پاکستان) ہے۔ صاف گو خطیب ہیں۔ آپ کی صلاحیتوں کے پیش نظر آپ کو جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کا ناظم منتخب کیا گیا ہے۔ موصوف کی علمی شہرت کی بنا پر مصر نے آپ کو بطور نمائندہ جمعیۃ علماء اسلام پاکستان دعوت دی اور آپ نے وہاں کی عالمی مؤتمر میں علماء عالم کو خطاب فرمایا۔ آپ کا شمار وہاں کے مشاہیر میں ہے۔

قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

○

پردہ اٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب!
جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
رُوحِ اُمم کی حیات کشمکشِ انقلاب!

اقبال

نوائے انقلاب

انٹرویوز و تقاریر	مولانا غلام غوث ہزاروی
مرتب	شمس القمر قاسمی
سرورق	سیّد انور حسین نفیس رقم مدظلہ
کتابت	حافظ ارشاد احمد تلمیذ نفیس رقم
مطبع	شرکت پرنٹنگ پریس
طبع	اوّل - دسمبر ۱۹۷۲ء
صفحات	ایک سو اٹھائیس
قیمت	چار روپے پچاس پیسے

ناشر:

عزیز پبلیکیشنز

۵۶-میکلوڈ روڈ، لاہور

پیش لفظ

بلاشبہ اسلام جامع و ہمہ گیر اور تمام ادوار کے تقاضوں پر محیط دین ہے اور بنی نوع انسان کی زندگی کے تمام شعبوں میں قدم قدم پر رہنمائی کرتا ہے۔ ایسے غیر متبدل اور مستقل اقدار پر مبنی دستور حیات کے ذریعے بھی اسی وقت کوئی انقلاب یا تبدیلی رونما ہو سکتی ہے کہ جب مسلمان اس پر پختہ یقین رکھتے ہوں اور اُسے مقصدِ زندگی بھی سمجھتے ہوں، یقین کامل ان کا سرمایہ ہو تو اطمینانِ قلب ان کی متاعِ عزیز ہو اور ان کے دل و دماغ یکسوئی کی دولت سے بھی مالا مال ہوں۔

اس کے ساتھ ہی ان کے اذہان فکر و نظر کی پراگندگیوں سے بھی پاک ہوں اور دماغی الجھنوں سے بھی مبرا ہوں، شکوک و شبہات سے ان کا کوئی علاقہ نہ ہو تو تردّد کے لیے بھی ان کے پہلو میں کوئی جگہ نہ ہو، تذبذب ان کے قریب نہ پھٹکے تو غیر یقینی بھی ان سے کنی کترا کر نکل جائے اور ان کی سوچوں کے محل میں خیام خیالی کو بھی قدم رکھنے کا موقعہ نہ مل سکے۔

جب یہ بنیادی اور لازمی جوہر پیدا ہو جائے تو انقلابی جماعت میں اُس کی اپنی تعلیمات کے مطابق امتیازی خصوصیات اجاگر ہو جاتی ہیں۔ ہر انقلابی قابل تقلید اور لائق تحسین سیرت و شخصیت کا مالک بن جاتا ہے۔ ہر شخص صفاتِ حمیدہ سے متصف ہو جاتا ہے۔ ہر فرد کا اخلاق اور کردار اچھائی سے آراستہ ہوتا ہے۔ ہر رکن میں اتحاد و اتفاق رچ بس جاتا ہے۔ ہر ممبر اخلاص و ایثار کا پیکر دکھائی دیتا ہے۔ ہر رکن اخوّت و محبّت کا مجسّمہ نظر آتا ہے۔ الفت و مروت اُن کو اپنی بانہوں میں لے لیتی ہے اور انس و پیار ان سے لپٹ لپٹ جاتا ہے۔

ان خوبیوں اور محاسن کی وجہ سے انقلابیوں کی کبر و نخوت سے نفرت کا چرچا زبان زدِ عام ہوتا ہے۔ تکبر و غرور کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا ان کا نصب العین بن جاتا ہے۔ بڑائی اور اونچائی

ان کے لیے حقیر سے حقیر شے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ بغض و عناد کے نام سے وہ ناآشنا ہوتے ہیں۔ حسد و جلن ان سے دُور دُور رہتے ہیں اور وہ غیبت و عیب جوئی سے آنکھیں پھیرے رکھتے ہیں۔

جس کے لازمی نتیجہ میں انقلاب برپا کرنے والی جماعت انتشار سے بچی رہتی ہے۔ گروہ بندی اور پارٹی بازی سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ لڑائی جھگڑے کو سر اٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی۔ بگاڑ کی تمام لکیریں مٹ جاتی ہیں۔ تنازعات کی تمام راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ چپقلش سہمی سہمی رہتی ہے۔ دشمنی اور عداوت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور دنگا فساد جنم نہیں لیتا۔ اس کے بعد شیرازہ منتشر ہو جائے ——— ہو ہی نہیں سکتا۔

اس طرح نہ صرف یہ کہ انقلاب کی علمبردار جماعت کے اتحاد و اتفاق اور یک جہتی کو پارہ پارہ کرنے کی ہر کوشش، ہر سکیم، ہر چال اور ہر سازش ناکام ہو جائے گی بلکہ ہر انقلابی کے دل میں ایک دوسرے کا احترام ہوگا۔ انسانیت کے لیے جینے کا جذبہ موجزن ہوگا۔ ہر فرد اپنے جماعتی دوست کے دکھ درد اور رنج و الم میں برابر کا شریک ہوگا اور جماعتی احباب کی خوشی کو اپنی خوشی تصوّر کرے گا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایسا اچھا سلوک روا رکھنے والے افراد اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کے بندھن سے نکل کر منزل تک نہ پہونچ جائیں۔

لیکن اس عظیم تر مقصد کی تکمیل نظم و ضبط کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے ہر انقلابی اپنے امیر کی اطاعت کے جذبہ سے سرشار ہو۔ اپنے رہبر کی فرمانبرداری اس کا خاصہ ہو۔ وہ اپنے رہنما کے حکم کو پُورا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ اپنے سربراہ کے آرڈر کو حرفِ آخر سمجھے۔ اپنے زعیم کے ارشادات و فرمودات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے اور اپنے لیڈر کے ہر اشارے پر سر مٹنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہے۔

جب ان کے دلوں میں تسلیمات کا یہ سلسلہ اس حد تک گھر کر جائے گا تو پھر وہ یہ نہیں دیکھیں گے کہ کفر و شرک دندنا رہا ہے یا طغیان و عصیان کی بجلیاں کوند رہی ہیں۔ ضلالت و گمراہی

کی گھٹائیں تلی کھڑی ہیں یا ظلمت و تاریکی کی آندھیاں چل رہی ہیں۔ فحاشی و عریانی کا طوفان بدتمیزی بپا ہے یا بداعمالیوں کے جھکڑ چل رہے ہیں۔

اس صورت کے پیش نظر فراعنۂ مصر کا دبدبہ ان کے آڑے آ سکے گا، نہ نمارود کا رعب۔ ہامان کا خوف انہیں پیچھے دھکیل سکے گا نہ شداد کا ڈر۔ قارون کی دولت انہیں خرید سکے گی نہ یہودیوں کا سرمایہ۔ ابوطالب کا پیار کارگر ثابت ہو سکے گا نہ ابوجہل کی قرابت داری۔ کفار و مشرکین کا ظلم و ستم انہیں باز رکھ سکے گا نہ منافقین کی ریشہ دوانیاں۔ ملاحدہ و زنادقہ کی کینہ توزیاں کچھ کر سکیں گی نہ خوارج و معتزلہ کی طوفان خیزیاں۔ تاتاریوں کی یلغار انہیں روک سکے گی، نہ مخالفتوں کے تلاطم خیز تھپیڑے۔ وہ فرزندان اقتدار کی دھمکیاں خاطر میں لائیں گے نہ افسران بالا کے آرڈی ننس اور مغرب کی سحر طرازیاں انہیں اپنی لپیٹ میں لے سکیں گی نہ یورپ کی زرق برق ان کی آنکھوں کو خیرہ کر سکے گی۔

بلکہ ایسے پرعزم اور عالی ہمت نفوس تو پنڈلیاں لہولہان کرا کر بھی فرحت محسوس کرتے ہیں اور پتھر کھا کر بھی۔ اگر دھوئیں سے اٹے ہوئے تنگ و تاریک کمرے میں کپڑوں میں لپیٹ کر بھی بند کر دیا جائے تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور اگر انہیں شدید زدوکوب کیا جاتے تو بھی ان کے چہرے مسرت سے معمور دکھائی دیتے ہیں۔ تپتی ہوئی ریت انہیں اپنے موقف سے ہٹا سکتی ہے نہ دہکتے ہوئے انگارے ان کا ایمان و ایقان چھین سکتے ہیں۔ والدین کی فطری محبت سے محرومی ان پر اثرانداز ہو سکتی ہے نہ معاشرتی بائیکاٹ انہیں مجبور کر سکتا ہے۔

غرض کہ کوڑے کھا کر بھی ان کا سر فخر سے بلند رہتا ہے تو سزا بھی ان کے لیے راحت بن جاتی ہے۔ جیل سے جنازہ نکلنا بھی ان کی سعادت کا حصہ بن جاتا ہے تو تختۂ دار کو بوسہ دینا بھی ان کے لے معمولی کام ہوتا ہے۔ کالے پانی کو وہ اپنا گھر تصور کرتے ہیں تو جیل خانے ان کے لیے دارالمطالعہ کا کام دیتے ہیں۔ وہ باطل کا مقابلہ ایوان اسمبلی میں بھی جرأت کے ساتھ کرتے ہیں اور قول و فعل کی ہم آہنگی کی دولت سے بھی۔ وہ وقت کے ڈکٹیٹر کی آنکھوں

میں آنکھیں ڈال کر بھی بات کرتے ہیں اور عدالت میں بھی سر پر کفن باندھ کر جاتے ہیں اور موت کو کھلونا سمجھتے ہیں اور تو اور ان کی تو مائیں بہنیں اور بہو بیٹیاں اپنے شیشہ ہائے عصمت میں برچھیاں کھا کر بھی کامرانی و شادمانی کے گیت گاتی ہیں۔

مختصر یہ کہ انقلابیوں کو اس کی پاداش میں فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنی پڑے۔ یا تکالیف و مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ مصیبتوں کے دن دیکھنے پڑیں یا گردش ایام سے دوچار ہونا پڑے ان کا جینا دوبھر کر دیا جائے یا ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جائے۔ ان کا سر تن سے جدا کر دیا جائے یا انھیں طرح طرح کی اذیتیں پہونچائی جائیں۔ انھیں جیل کی کال کوٹھریوں کی زینت بنا دیا جائے یا ان کے خون کی سرخی سے تختۂ دار کی تزئین کی جائے۔ شاملی کے میدان میں ان کے خون سے ہولی کھیلی جائے یا انہیں درختوں پر الٹا لٹکا کر ان کے دماغوں کو کھولا دیا جائے۔ ان کے جسم کی بوٹی بوٹی کر دی جائے۔ یا انہیں جلا کر راکھ کر دیا جائے۔ انہیں برف کے تودوں پر لٹا دیا جائے یا ان پر گولیوں کی بارش برسائی جائے۔ ان پر غنڈوں کے ذریعے قاتلانہ حملہ کرایا جائے یا لاٹھی چارج ایسے اوچھے ہتھکنڈوں کا استعمال کیا جائے۔ ان پہ پابندی لگادی جائے یا وقتاً فوقتاً الزامات عائد کیے جائیں۔ دست بہ زنجیر کر دیا جائے یا پابہ سلاسل کیا جائے۔ ٹانگیں توڑنے کی دھمکی دی جائے یا مساوی نمائندگی سے محروم رکھا جائے۔ پروپگنڈا کیا جائے یا افواہیں پھیلائی جائیں۔ قتل کے منصوبے تیار کیے جائیں یا سازشوں کے جال بچھا دیے جائیں۔ لیکن پھر بھی وہ اپنی تحریک کو جاری رکھیں گے۔

جب انقلابی جماعت اس مقام تک پہونچ جاتی ہے تو اس کی "نوائے انقلاب" رفتہ رفتہ آہستہ آہستہ اور بتدریج عملی شکل اختیار کرتی چلی جاتی ہے۔ اس کے راستے میں بڑی سے بڑی مصیبت بھی رام ہو جاتی ہے۔ ہر رکاوٹ خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتی ہے۔ آہنی دیواروں کو زنگ کھا جاتا ہے۔ باطل کے تمام ارادے خاک میں مل جاتے ہیں۔ کفر کے قلعوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ شیطنت کی عمارت میں شگاف پڑ جاتے ہیں۔ استحصال

سکیاں لے لے کر دم توڑ دیتا ہے ۔ سرمایہ داروں کا بندھن پاش پاش ہو جاتا ہے معاشرہ کی کایا پلٹ جاتی ہے ۔ غلامی کی زنجیریں کٹ جاتی ہیں ۔ تمام طاقتیں پسپا ہو جاتی ہیں اور ان کا پرچم سرنگوں ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ ؎

حالات کی کشتی کے جو بھی پتوار سنوارا کرتے ہیں
گرداب بھی بچتے ہیں ان سے طوفاں بھی کنارا کرتے ہیں

تو تحریک اپنا رنگ لاتی ہے ۔ فتح کا علم بلند ہوتا ہے ۔ کامیابی قدم چومتی ہے ۔ کامرانی کی سرسبز و شاداب کھیتیاں لہلہاتی ہیں ۔ فلاح و بہبود کی کرنیں پھوٹتی ہیں ۔ تمام افراد مملکت کے لیے کمائی کے یکساں ذرائع میسر آتے ہیں ۔ ہر آدم زاد کی بنیادی ضروریاتِ زندگی انقلابی حکومت بہم پہنچاتی ہے ۔ سرمایہ اور محنت کے حسین امتزاج سے عام گناہوں اور جرائم کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے ۔ زر محض تبادلہ اشیاء کا ذریعہ بن کر رہ جاتا ہے ۔ اخلاقی قدریں مستقل قرار پاتی ہیں اور تخلیق کائنات کو بامقصد قرار دے کر خالق کائنات کی حاکمیت کا یقین دلوں میں بٹھا دیا جاتا ہے ۔ جس کے تحت انسان کو بامقصد زندگی بسر کرنے کا تصور دیا جاتا ہے ۔ اس طرح سیاسی نظام میں حاکمیت اللہ کی سکھائی جاتی ہے تاکہ مستقل اقدار میں اکثریت و اقلیت کی رایوں کا سلسلہ ہی ختم کر دیا جائے اور ہر بات میں وحی سے رہنمائی حاصل کی جائے اور انقلابی جماعت اتنی غیرت مند ہوتی ہے کہ اگر کوئی فرد اپنے خبث باطن کی وجہ سے یا کسی کے اشارے پر اپنی ہی تعلیمات کے خلاف سازش کرے یا اپنے قول و فعل سے ان کی تکذیب کرے تو وہ اُسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیتی ہے کہ کہیں یہ اپنے شر سے پورے ماحول ہی کو گندہ نہ کر دے اور نہ وہ کسی ایسے شخص کو اپنا سربراہ دیکھنا پسند کرتی ہے جو اس کے پروگرام سے مختلف عقائد و نظریات کا حامل ہو ۔

انقلابی جماعت اس قدر مستحکم اور پائیدار بنیادوں پر اسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے کہ جب تک وہ حکمت عملی کے تقاضوں کو پورا کرتی رہے ۔ باہمی مشاورت کا خیال رکھے ۔ نظم و ضبط کی شرائط پر پوری اترتی رہے اور مسلسل و پیہم جدوجہد جاری رکھے ۔

قارئین کرام! قوم میں ان ہی اصول وضوابط کے مطابق شعور پیدا کرنے کے لیے مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی ایسے اسلام کے نامور سپوت، جنگ آزادی کے علمبرداروں کے فرزند، میدانِ سیاست کے سپہ سالار اور جمعیۃ علماء اسلام کے قائد کے انٹرویوز اور صوبائی وقومی اسمبلیوں کی تقاریر کا مجموعہ "نوائے انقلاب" کے نام سے آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے اور "اذانِ سحر" کے بعد یہ پیش کش عزیز پبلی کیشنز" کی سعادت کا حصّہ بن رہی ہے۔

اس پر ہم بھی ادارہ کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں کیونکہ اس نے اکابر کی علمی امانت کو یکجا شائع کر کے امت مسلمہ اور آئندہ نسلوں پر عظیم احسان کیا ہے۔ اب اہل ذوق کے تعاون کی ضرورت ہے تاکہ یہ سلسلہ باقاعدگی سے چلتا رہے اور یہ وقت کا اہم تقاضا بھی ہے کیونکہ جو قوم اپنے اسلاف کی علمی وراثت کو نسل درنسل منتقل کرنے کے قابل نہیں رہتی وہ ایک نہ ایک دن کسی دوسری قوم میں گم ہو کر اپنا قومی تشخص کھو بیٹھتی ہے، اس کی تہذیب وثقافت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے امتیازی نقوش مٹ جاتے ہیں۔ صفحۂ ہستی سے محض عقل انسانی کے بنائے ہوئے دساتیر حیات کی طرح مٹ جاتی ہے اور ڈھونڈے سے بھی اس کا کوئی نام لیوا نہیں ملتا۔

شمس القمر قاسمی

۱۵ر نومبر ۱۹۷۳ء

انٹرویوز

انٹرویو

(یہ انٹرویو کراچی سے شائع ہونے والے اکتوبر ۱۹۶۹ء
کے ماہنامہ "عالمی ڈائجسٹ" سے لیا گیا ہے۔)

فرزندِ اسلام

پاکستان کے ممتاز رہنما حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب پچھلے دنوں ایک مختصر سے دورے پر کراچی تشریف لائے۔ میں ان دونوں حضرات کے انٹرویو زلینا چاہتا تھا۔ لیکن ان کی شدید ترین مصروفیات کے پیشِ نظر میری یہ خواہش پوری ہوتی کچھ مشکل نظر آرہی تھی۔ بہرکیف قسمت آزمائی کے ارادے سے میں دوسرے روز کسی قسم کی اطلاع کیے بغیر نیوٹاؤن کی جامع مسجد میں جا پہنچا۔ یہاں یہ دونوں حضرات قیام فرما تھے۔ مسجد کے دروازے پر ہی مجھے ایک صاحب مل گئے جو مجھے اس کمرے کی طرف لے گئے جہاں حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی تشریف فرما تھے۔ کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا اور باہر بہت سے حضرات جمع تھے۔ ان میں غالباً کچھ جمعیۃ کے کارکن تھے اور کچھ ملاقاتی۔ اس وقت مولانا ایک اور مقامی صحافی کو انٹرویو دینے میں مصروف تھے۔ میں نے بھی اپنا کارڈ اندر بھجوا دیا اور میری یہ خوش قسمتی تھی کہ مجھے فوراً ہی اندر بلوا لیا گیا۔ اس سے پہلے مجھے کبھی مولانا سے ملاقات کا شرف

حاصل نہ ہوا تھا۔ گذشتہ دنوں اخبارات وغیرہ میں ان کے چھپنے والے بیانات اور گھن گرج، جس سے ان کے مخالفین کا سکون غارت ہو چکا ہے اور نام کے ساتھ ہزاروی کی نسبت سے میں نے اپنے ذہن میں ان کی شخصیت کا جو خاکہ بنا رکھا تھا وہ کچھ اس قسم کا تھا۔ دراز قد، وجیہہ، توانا اور ادھیڑ عمر کے عالم دین۔ لیکن کمرے میں داخل ہونے کے بعد میری نظریں جس بزرگ پر پڑیں وہ ایک دبلے پتلے منحنی قسم کے شخص تھے جو بڑے دھیمے، نرم اور صاف لہجے میں گفتگو کر رہے تھے۔ انہوں نے بے حد سادہ لباس پہن رکھا تھا۔ استری اور کلف سے بے نیاز کرتا اور شلوار اور سر پہ کلّے اور طرّے سے آزاد دیہاتی پنجابیوں کے سے انداز میں باندھی ہوئی پگڑی۔ یہ تھے مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی جنہیں مجاہد ملت، بطل حریت اور دین کے ایک بڑے مجاہد کی حیثیت سے بھی جانا جاتا ہے۔ میں بھی دوسرے چند حضرات کی طرح مولانا کے قریب ہی فرش پر بچھی ہوئی چاندنی پر ایک طرف بیٹھ گیا۔ مولانا چونکہ انٹرویو دے رہے تھے اس لیے میری طرف مخاطب نہ ہوئے۔ باہر ملاقاتیوں کا ہجوم، دن بھر کی مصروفیات اور پھر ایک انٹرویو کے بعد ہی فوراً دوسرا انٹرویو۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید مولانا مجھے انکار کر دیں۔ ایک پچھتر سالہ بزرگ سے اس قسم کی توقع غلط نہ تھی۔ لیکن میری توقعات کے برعکس تھوڑی ہی دیر بعد اس صحافی کو فارغ کرتے ہوئے مولانا میری طرف متوجہ ہوئے۔

"ہاں صاحب! کیا پوچھنا ہے آپ نے؟ پوچھیے۔"

ان کی آواز یا چہرے سے کسی قسم کی تکان کا اظہار نہ ہوتا تھا۔

بختیار ملک

میں نے گفتگو کا آغاز کرنے کے لیے ایک تمہیدی سوال کر ڈالا۔

اغراض و مقاصد

قبلہ آپ کی جماعت کے اغراض و مقاصد کیا ہیں اور آپ انہیں کیسے عملی جامہ پہنائیں گے۔؟

ہماری جماعت کا نام جمعیۃ علماء اسلام پاکستان ہے اور اگر ایک جملے میں آپ اس کا مقصد معلوم کرنا چاہیں تو وہ ہے قرآنی آئین کا نفاذ۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ پاکستان میں اسلامی اقدار کا نفاذ، مغربی تہذیب کا اخراج، ملکی استحکام، احیائے دین کے لیے کوشش، مسلم ممالک کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم کرنے کے لیے جدوجہد اور ملک کی داخلہ و خارجہ پالیسیوں کو صرف ملکی اور اسلامی مفادات کے عین مطابق بنانا۔ اپنے ان مقاصد کی تکمیل کے لیے ہم سارے ملک کا دورہ کر رہے ہیں اور ہم نے ہر ضلع میں جمعیۃ کی شاخیں اور دفاتر قائم کیے ہوئے ہیں۔ بعض اضلاع میں جمعیۃ کی دو سو کے قریب شاخیں ہیں۔ ہم نے ایک مرکزی جمعیۃ علماء اسلام کی بھی تشکیل کی ہے۔ جس کے امیر حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی اور ناظم عمومی حضرت مولانا مفتی محمود ہیں۔ اس کے تحت ہر دو صوبوں میں صوبائی جمعیتیں بھی قائم کی گئی ہیں۔ ہم سارے ملک میں تبلیغی جلسوں وعظوں اور دوروں کے ذریعے تمام مسلمانوں کو اسلامی مقاصد کی خاطر اپنے ساتھ ملانے کی سعی کرتے ہیں ۱۹۵۶ء سے ہم نے ایک ہفتہ وار آرگن "ترجمانِ اسلام"، لاہور سے جاری کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ جمعیۃ مختلف رسالوں اور مبلغوں کے ذریعے بھی اپنے اغراض و مقاصد کی اشاعت کرتی رہتی ہے۔ اپنے انہی مقاصد کی تکمیل کے لیے ہم آئندہ انتخابات میں حصہ لینے کے حامی ہیں۔

جاگیرداری، زمینداری اور سرمایہ داری

ہمارے ملک کے چند علماء اسلام میں جاگیرداری اور سرمایہ داری کو جائز قرار دیتے ہیں اس بارے میں حضرت مولانا کا نقطۂ نظر معلوم کرنے کے لیے میں نے ایک سوال کیا :

حضرت کیا اسلام میں جاگیرداری اور سرمایہ داری جائز ہے ؟

انھوں نے نہایت سکون سے فرمایا :

اسلام ایک کامل دین ہے اور اس میں تمام زمانوں، تمام قوموں اور تمام ملکوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ایسی جاگیریں اور مربعے جو کہ ناجائز طور پر انگریزوں کی فوجی خدمات کے صلے میں یا کسی اور غیر اسلامی خدمت کے عوض میں کسی کو دیے گئے ہوں تو ان کا ضبط کرنا اور انہیں قومی مفاد میں استعمال کرنا شریعت کے عین مطابق ہے۔ لیکن ایسا ہو سکتا ہے کہ ضرورت کے تحت کسی کو کوئی جائداد مہیا کر دی جائے۔ یا کوئی شخص زمین کے کافی قطعات اپنے قبضے میں رکھ لے۔ مگر ایسے حالات میں جب کہ ملک کے کروڑوں مسلمانوں کا سوشلزم کی طرف مائل ہونے فقروفاقہ یا نادانی سے اسلام کو ترک کرنے پر آمادگی کا خطرہ درپیش ہو تو امت کے جلیل القدر علماء کو چار مذاہب کے اندر قرآن و حدیث کی روشنی میں فتوے دینے اور مسلمان امت کو مزدوروں اور کسانوں کی خاطر مختلف اصلاحی اقدام کرنے کی اجازت ہوتی ہے تاکہ وہ کسی قسم کے استحصال اور جبر کے بغیر اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ یہ تو ہے جاگیرداری اور زمینداری کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر، اور جہاں تک سرمایہ داری کا تعلق ہے۔ اسلام فرد کے مفاد کے بجائے جماعتی مفاد کو مقدم قرار دیتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ انفرادی ملکیت سے بھی انکار نہیں کرتا اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں زکوٰۃ اور وراثت کا قانون جاری ہے۔

اسلام نہ تو سوشلزم کی تعلیم دیتا ہے جس سے تمام ذاتی ملکیتوں کو ختم کر کے حکومت اپنے قبضے میں کرے اور نہ ہی وہ مفرط قسم کی سرمایہ داری کو برداشت کرتا ہے جس کے تحت سودی

کاروبار، عوام کی تباہی اور ملک کی ساری دولت پر چند خاندانوں کے قابض ہونے کی لعنت پیدا ہوتی ہے۔"

عالم اسلام کا بڑا دشمن

گفتگو بڑے دلچسپ موڑ پر آگئی تھی۔ مولانا عالمانہ انداز میں بنیادی مسائل پر اظہار خیال فرما رہے تھے کہ میں نے ان سے ایک اور سوال کیا:

آپ کے خیال میں اس وقت عالم اسلام کا سب سے بڑا دشمن کون ہے؟

"گذشتہ تیرہ سو سال سے اسلام کا سب سے بڑا دشمن مغربی سامراج رہا ہے اور صلیبی جنگیں اس کی شاہد عدل ہیں۔ امریکہ آج تک تمام مغربی سامراج کا سرغنہ بنا ہوا ہے۔ اس نے ۱۹۶۵ء میں ہندوستان سے پاکستان پر حملہ کرایا اور پاکستان کے ساتھ دفاعی معاہدات کے باوجود ہندوستان کی ہر طرح سے مدد کی۔ جیسے ایک حرامی مرغی کڑکڑ تو ایک گھر میں کرے اور انڈے دوسرے گھر میں دے۔ دنیا کا یہ اتنا بڑا ملک دھوکے اور فریب سے دوست کو تباہ کرنے میں کبھی نہیں چوکتا۔ حیرت کی بات ہے کہ تسخیر ماہتاب کا عظیم کارنامہ امریکہ کے کتنے بڑے اخلاقی تنزل کے ساتھ ملا جلا ہے۔ اس کے بعد امریکہ نے ۱۹۶۷ء میں یہودیوں سے عربوں پر حملہ کرایا۔ دراصل یہ جنگ یہودیوں نے نہیں بلکہ اینگلو امریکی سامراجیوں نے لڑی اور عربوں کو عظیم نقصان پہنچا کر صلیبی جنگوں کا بدلہ لینے کی کوشش کی اور اب جب کہ اس کے پٹھو اور پالتو یہودیوں نے مسلمانوں کے قبلہ اول کی بے حرمتی کر کے اسے نذر آتش کرتے ہوئے ستر کروڑ مسلمانان عالم کے دلوں کو شدید مجروح کیا۔ عین اسی وقت انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ امریکہ نے یہودیوں کو ایک سو پچاس جنگی ہوائی جہاز دے کر مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی کی —— اس طرح اس دشمن خدا نے ایک طرف تو عربوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف یہودیوں کو ان کی اس مذموم حرکت پر انعام دیا۔ اس وقت مسلمانان عالم کی غیرت کا تقاضا ہے کہ وہ امریکہ اور

یہودیوں کی تمام سرپرست حکومتوں سے اپنے سفارتی، تجارتی اور سیاسی تعلقات منقطع کرلیں۔
اس سلسلے میں۔ مَیں نے مودودی صاحب کو جن کی پارٹی میرے خلاف سوشلسٹ ہونے کا جھوٹا پروپیگنڈا کرتی رہتی ہے۔ چیلنج کیا ہے کہ وہ آئیں اور میرے ساتھ مل کر تقریریں کریں۔ اگر میں سوشلزم کے خلاف تقریر نہ کروں تو مجھے سوشلسٹ سمجھا جائے۔ اور اگر وہ امریکی سامراج کے ساتھ سفارتی، سیاسی اور تجارتی تعلقات منقطع کرنے کے لیے نہ کہیں تو انھیں امریکی ایجنٹ تصوّر کرلیا جائے۔"

"کیا آپ کا یہ چیلنج مودُودی نے قبول نہیں کیا؟"

مولانا ہزاروی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

؎ یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں —— وہ غالباً کبھی بھی یہ چیلنج قبول نہ کریں گے۔ اس لیے کہ وہ امریکہ کے خلاف اس قسم کا بیان دے کر اپنے آپ کو تمام سامراجیوں اور سامراج دوست مل مالکوں اور جاگیرداروں کی سرپرستی سے محروم نہیں کرنا چاہتے۔ اگر مودُودی صاحب میرا چیلنج قبول کرلیں تو نہ مجھے کوئی سوشلِسٹ کہ سکے گا اور نہ ہی کوئی انہیں امریکی چمچہ کہ کر پکارے گا۔ اس کے علاوہ انہیں اپنی تمام سنگین مذہبی غلطیوں، فاسد عقائد، صحابہ دشمنی پر مبنی تحریرات اور انبیا علیہم السّلام کی تنقیصِ شان پر بھی سچے دل سے توبہ کرنی ہوگی۔ اس کے بعد ممکن ہے کہ مشترک سیاسی مقاصد کے لیے کوئی راستہ کھُل سکے۔

اسلام کے بدترین دشمن امریکی سامراج کو زیر کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جنگ کے دونوں محاذوں پر کام کیا جائے۔

ایک محاذ امریکی پروپیگنڈا ہے۔ جو شدت کے ساتھ عرب ممالک اور ان علماء کے خلاف جاری ہے جو امریکہ کو واقعی اسلام کا دشمن سمجھتے ہیں۔

دوسرا محاذ مسلح جنگ ہے۔

○ پہلے محاذ پر تو جمیعتہ عُلماء اسلام بڑی بے جگری کے ساتھ مقابلہ کر رہی ہے اور اپنی بے بضاعتی

کے باوجود اس نے ساطع الجمیلی جیسے امریکی ایجنٹوں اور فن کار مودودیوں کے پروپیگنڈے کو خاک میں ملا دیا ہے اور اب مسلمان یہ سمجھ چکے ہیں کہ عرب ممالک کے خلاف مہم دراصل عرب یہود جنگ سے لوگوں کو غافل کرنے، مودودی عقائد کو چھپانے اور محنت کشوں کے حقوق کو غصب کرنے کے لیے شروع کی گئی ہے۔"

○ دوسرے محاذ پر کامیابی کے ساتھ لڑنے کے لیے سب سے پہلے متعلقہ عرب حکومتوں کا اتحاد ضروری ہے۔ اس کے بعد دور دراز کی عرب مملکتوں، مسلم ملکوں اور تمام مظلوم دوست اور امن پسند ممالک کی ہمدردیاں اور تعاون حاصل ہونا بھی ضروری ہے۔ عربوں کے اتحاد کے خلاف ایک جماعت نے جان بوجھ کر یہ پروپیگنڈا شروع کر رکھا ہے کہ قومیت کے نام پر کیا جانے والا یہ اتحاد غیر اسلامی ہے۔ حالانکہ یہ اتحاد ایک قدرتی اور طبعی امر ہے اور یہی وجہ ہے کہ عراق، مصر، شام اور اردن کے سربراہ صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے مشورے کر رہے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے قرب قیامت کا وقت نہیں آگیا تو انشاء اللہ تعالیٰ مسلمان یہودی سازشوں اور ان کے توسیع پسندانہ عزائم کو خاک میں ملا دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

صرف سوشلزم کی مخالفت کیوں؟

بعض سیاسی حلقوں کا خیال ہے کہ پچھلے کچھ عرصہ سے مولانا مودودی، مولانا احتشام الحق تھانوی اور اس قسم کے دوسرے عناصر نے مذہبی تبلیغ کے بجائے اپنی تمام تر قوت سوشلزم کی مخالفت میں صرف کر رکھی ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے فرمایا:

مودودی صاحب کے بارے میں عام مسلمانوں کا خیال ہے کہ وہ سوشلزم سوشلزم کا شور مچا کر اپنے فاسد خیالات و عقائد کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں اور عرب دشمنی

کا جو مظاہرہ وہ پہلے کر چکے ہیں۔ اسی کے تحت اس شور و غل اور ہنگامہ آرائی سے مسلمانوں کو عرب یہود جنگ سے غافل کر دینا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے ارجنٹائن کے امریکی ایجنٹ ساطع الجیلی کو درآمد کیا گیا۔ جس نے بڑی بے حیائی کے ساتھ عرب حکومتوں کو کافر گردان کے ساتھ یہاں کے مسلمانوں کی ہمدردیاں قطع کرنا چاہیں۔ یہ سب کچھ امریکی سامراجیوں کے اشارے پر ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ چند خاندانوں کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے ملک میں اس وقت جو عوامی بیداری پیدا ہو چکی ہے اور مزدور، کاشتکار، چھوٹے صنعت کار، عام تاجر، وکلا، عُلمار اور طلبار نے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے جو جدوجہد شروع کر رکھی ہے۔ مودُودی صاحب اسے سوشلزم کا نام دے کر ناکام بنا دینا چاہتے ہیں۔ مودودی صاحب کے بارے میں میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نہ وہ پہلے کبھی اسلامی نظام چاہتے تھے اور نہ اب چاہتے ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ ۱۹۵۱ء میں اسلامی نظام کے مطالبے کے لیے اکتیس عُلمار کراچی میں اکٹھے ہوئے اور بقول مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ، مودُودی صاحب نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس حکومت سے اسلامی نظام کا مطالبہ نہیں کرنا چاہتے اور وہ کانفرنس سے اٹھ کر جانے لگے۔ اس ڈر سے کہ حکومت کا یہ اعتراض درست ثابت نہ ہو جائے کہ علمار کے اندر اتفاق نہیں ہے۔ انہیں بڑی مشکل سے سمجھا بجھا کر بٹھایا اور وعدہ کیا کہ حکومت سے اس قسم کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کے بجائے اسلامی حکومت کا صرف خاکہ مرتب کیا جائے گا۔ یہ تھی ابتدا۔ اور انتہا یہ ہوئی کہ سیاسی لیڈروں کی گول میز کانفرنس میں جب شیخ الحدیث حضرۃ مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ نے بائیس نکات کے مطابق اسلامی نظام کا مطالبہ کیا تو اس کا خود ساختہ مجتہد نے منہ میں گھنگنیاں ڈال لیں اور بعد میں کہا کہ چونکہ ایوب خاں کا موڈ خراب تھا اس لیے اس قسم کا مطالبہ پیش کرنا مناسب نہ تھا۔ پھر انہوں نے ایسی خرافات لکھیں کہ عام مسلمانوں اور علمار میں سر پھٹول ہوئی۔ کوئی بھی مسلمان جو اپنے سینے میں اسلامی نظام کا درد رکھتا ہو، بلا ضرورت ایسے مسائل سپرد قلم نہیں کر سکتا۔ جن کا فائدہ تو کچھ نہ ہو اور نقصان

اتنا عظیم ہو کہ امت کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے۔

جہاں تک مولانا احتشام الحق تھانوی کا تعلق ہے۔ یہ بات آپ انہی سے پوچھیں کہ وہ آج کل امریکی سامراج کی مخالفت کے بجائے سوشلزم کی مخالفت پر زیادہ زور کیوں دے رہے ہیں اور اس وقت ہم پر سرمایہ داری مُسلّط ہے یا سوشلزم ؟ اور یہ کہ اس وقت مسجد اقصیٰ کو جلانے والے یہود اور ان کے سرپرست امریکہ کے خلاف مہم چلانا زیادہ ضروری ہے یا سوشلزم کے خلاف ۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ سوشلزم کی مخالفت نہ کریں۔ لیکن خدا کے لیے وہ مظلوم عربوں کی حمایت میں امریکی سامراج کے خلاف صف آرا ہو کر اپنی شایان شان خدمات سرانجام دیں۔

مودودی سے بنیادی اختلاف

آپ کو مولانا مودودی سے بنیادی اختلافات کیا ہیں ؟

مودودی صاحب سے ہمارے اختلافات کچھ سیاسی ہیں اور کچھ مذہبی ۔ مذہبی اختلافات کی چند مثالیں یہ ہیں :

(۱) وہ دو جڑواں بہنوں کا نکاح ایک مرد کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں جو کہ قطعاً حرام ہے

(۲) وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نبوت سے پہلے کے ذرائع علم اور عام لوگوں کے ذرائع علم میں کچھ فرق قرار نہیں دیتے۔

(۳) انہوں نے انبیاء علیہ السلام کی توحید کو کسبی قرار دیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ وہ غور کرتے کرتے توحید تک پہنچے ہیں۔ حالانکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء بچپن ہی سے مواحد اور مومن ہوتے ہیں۔

(۴) انہوں نے نماز، زکوٰۃ اور حج نہ کرنے والوں کو اسلام سے خارج بتایا ہے جو کہ خارجیوں کا عقیدہ ہے۔

(۵) انہوں نے صحابہ کرام کے خلاف جھوٹی روایات کی آڑ لے کر خرافات لکھی ہیں۔ بعض صحابہ کو جھوٹا قرار دیا ہے۔ بعض کو رشوت دینے والے اور بعض کو کتاب وسنت کا صریح مخالف۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد ان کو نشانہ نہ بنانا۔ ان سے محبّت کرنا مجھ سے محبت کرنے کی وجہ سے ہے اور ان سے بُغض رکھنا مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ہے۔

(۶) انھوں نے حضرت یونس علیہ السّلام کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے فریضۂ تبلیغ و رسالت میں کوتاہیاں کیں۔ مودودی صاحب نے رسائل ومسائل حصہ اوّل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہے کہ نبوت سے پہلے ان سے ایک گناہِ کبیرہ سرزد ہوا تھا۔ حالانکہ انبیاء علیہ السلام گناہ سے قطعی پاک ہوتے ہیں۔ یہ انبیاءؑ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی ہے۔

(۷) انھوں نے سجدۂ تلاوت کو بے وضو پڑھنا جائز قرار دیا ہے۔

(۸) انھوں نے خلع لی ہوئی عورت کی عدت ایک حیض بتائی ہے۔ جب کہ چاروں امام تین حیض بتاتے ہیں۔

(۹) انھوں نے ذی علم لوگوں کے لیے تقلید کو گناہ سے بھی شدید تر چیز قرار دیا ہے۔ جس کا مطلب ہے کفر۔ حالانکہ خواجہ اجمیریؒ، پیران پیرؒ، امام ربانی مجدّد الف ثانیؒ مقلد تھے اور یہ بزرگ ذی علم ہو کر مقلد ہوتے تھے۔

(۱۰) انھوں نے صحابۂ کرام پر کیچڑ اچھالا اور امام ابن تیمیہؒ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور ابن حجر مکیؒ کی تصانیف کو اس قابل قرار نہیں دیا کہ ان سے کوئی دلیل پکڑی جا سکے اور ان کو صحابہؓ کا وکیل قرار دیا ہے۔ اب جن روایات کو اتنے بڑے لوگ غلط قرار دیتے ہیں یہ انہیں صحیح قرار دے کر صحابہ کرام کو گالیاں دیتے ہیں

(۱۱) انھوں نے تصوف کو "چنیا بیگم" یعنی افیون قرار دیا ہے۔

(۱۲) انھوں نے ایک موقع پر جمہوریت کو لعنت قرار دیا تھا اور اب جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔

(۱۳) ان مذہبی اختلافات کے علاوہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے طریق کار سے امریکہ اور یہودیوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ امریکی سامراجیوں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے لیے یہ جماعت ایک مفید مطلب ادارہ ہے۔

مودودی فرقہ

میں نے کہا قبلہ قطع کلامی معاف اس جماعت سے کیا آپ کی مراد جماعت اسلامی ہے؟

مولانا نے کسی قدر جذباتی انداز میں کہا:

جماعتِ اسلامی نہیں ہم اسے مودودی فرقہ کہتے ہیں۔ عام مسلمانوں اور عُلماء کو ان سے شدید اختلافات ہیں۔ مودودی فرقہ مرزائیت سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ وہ ننگے کافر ہیں اور یہ دجل وفریب کے ذریعہ مسلمانوں کے ایمانوں پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔

خانہ جنگی

"بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مولانا مودودی اور دوسرے چند عناصر نے ملک میں تشدد نفرت اور تفریق کی ایک مہم چلا رکھی ہے اگر اسے نہ روکا گیا تو ملک میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ اس بارے میں آپ کا خیال کیا ہے؟

مودُودی صاحب کی مہم تو اس سوال کے عین مطابق معلوم ہوتی ہے اور پچھلے ہنگاموں میں ان کی پارٹی نے اس کا ثبوت بھی فراہم کیا ہے۔ خدا گنجے کو ناخن نہ دے اگر ان کا بس چلے تو یہ علماء حق کا تخم ختم کر ڈالیں۔ مسجدوں سے علماء کو بے دخل کر دیں اور کرسیٔ اقتدار

پر بلا شرکت غیرے قبضہ کر لیں۔ مگر اب راز فاش ہو جانے کے بعد امریکی امداد کے بل بوتے پر بھی یہ اپنے منحوس ارادوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ امریکہ بے چارہ تو ویت نام میں بری طرح پٹ چکا ہے اب انہیں کیسے پروان چڑھائے گا۔ مودودی صاحب کے اشتعال انگیز بیانات جن میں اپنے مخالفین کی گدی سے زبانیں کھینچ لینے تک کے الفاظ پائے جاتے ہیں کا پہلا اثر ڈھاکہ میں ایک طالب علم کی جان ضائع ہونے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ہم نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اس واقعے کی مکمل تحقیقات کر کے عوام کو آگاہ کرے کہ اس ضمن میں پہل کس نے کی ہے ؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کے غیر ذمہ دارانہ بیانات سے متعلقہ پارٹیوں میں اشتعال بڑھتا ہے اور وہ اس قسم کے مزید واقعات کا موجب بن سکتے ہیں مودودی پارٹی نے عبدالمالک کے واقعے کو اچھال کر سارے ملک کے امن کے خلاف ایک طرح کی مہم شروع کر دی۔ لیکن اب چونکہ عوام انہیں اچھی طرح پہچان چکے ہیں اس لیے ان کی یہ مہم بھی گذشتہ تمام مہمات کی طرح ناکام ثابت ہوئی۔ اس قسم کے چیلنجوں، اشتعال انگیزیوں اور غنڈہ گردیوں کا فوری سدّباب نہ کیا گیا تو ملک میں خانہ جنگی کا شدید خطرہ پیدا ہو جائے گا۔"

موزوں طرزِ حکومت

اب میں نے حضرت مولانا کی رائے ایک اہم اور بنیادی مسئلے کے بارے میں دریافت کرنا چاہی۔ میں نے عرض کیا :

"آپ کے خیال میں پاکستان کے لیے کون سا طرزِ حکومت موزوں ہو گا"

موجودہ نظام ہائے حکومت میں وحدانی، وفاقی، صدارتی، پارلیمانی، جمہوری اور شخصی وغیرہ کی بحث جاری ہے۔ اسلام نے ان طرزوں میں سے کسی پر کوئی خاص قدغن نہیں لگائی ہے اور نہ ہی کسی خاص پر زور دیا ہے۔ البتہ اس نے دو باتیں لازم قرار دی ہیں۔ اوّل یہ کہ اسلامی حکومت اللہ کی نائب ہوتی ہے اور وہ اللہ کے احکام سے انحراف نہیں

کرسکتی۔ دوم یہ کہ اسلامی حکومت میں مشورہ لازمی قرار دیا گیا ہے اس لیے ہم اسلامی حکومت کو شورائی حکومت کہتے ہیں۔"

ون یونٹ

اگر ون یونٹ توڑ دیا جائے تو صوبوں کی تشکیل کس بنیاد پر ہو گی اور کراچی کی حیثیت کیا ہو گی ؟

"وَن یُونٹ بننے سے پہلے صوبوں کی جو حیثیت تھی اُسے بحال کر دیا جائے اور کراچی کو یا تو سندھ کے ساتھ ملا دیا جائے یا ایک الگ صوبہ بنا دیا جائے۔ اس کا دارومدار انتظام کی سہُولت پر ہے۔ لیکن اسے قطعی فرقہ وارانہ یا طبقاتی مسئلہ نہ بنایا جائے۔ کراچی کو کسی حالت میں بھی کمشنری صوبہ نہ بنایا جائے۔ یہ اقدام غیر جمہوری اور غیر آئینی ہو گا۔"

لِسانی مسئلہ

پاکستان کے لسانی مسئلے کا حل آپ کے پاس کیا ہے ؟

پاکستان کے لیے اگر بائیس سال تک انگریزی زبان لازمی قرار دی جا سکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہاں عربی زبان کو لازمی زبان قرار نہ دیا جا سکے۔ اردو اور بنگلہ کو قومی زبانیں قرار دینے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس کے علاوہ علاقائی زبانوں کی اہمیت کو بھی تسلیم کر لینا چاہیے۔ بچوں کی ابتدائی تعلیم ان کو اپنی زبان میں نہ دینا ان کے دماغوں پر ایک غیر ضروری بوجھ ڈالنا ہے

تعلیمی پالیسی

تعلیمی پالیسی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ؟

"اس میں بہت سی باتیں اچھی ہیں۔ میٹرک تک کی دنیوی اور دنیاوی تعلیم کے بعد جیسے بعض لڑکے انجینئرنگ، میڈیکل اور زراعتی کالجوں میں داخلے لیتے ہیں۔ اسی طرح وکیل اور جج وغیرہ بننے کے خواہش مند طالب علموں کو فوقانی عربی مدارس میں داخلہ لینا چاہیے۔ ان فوقانی عربی مدارس کو اسلامی کالج کا درجہ دیا جائے اور ان میں کسی قسم کی مداخلت کیے بغیر انہیں تسلیم کرکے وہاں کے فارغ التحصیل حضرات کو دوسرے کالجوں کی طرح گریڈ دیے جائیں"۔

لیبر پالیسی

"مجوزہ لیبر پالیسی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ میرا آخری سوال تھا۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مزدوروں کو ان کے تمام پیدائشی حقوق ملنے چاہئیں۔ اگر ان کے تمام جائز حقوق تسلیم کر لیے جائیں تو مسائل پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس پالیسی کو آخری شکل دیتے وقت مزدوروں کی رائے کو زیادہ اہمیت دینی چاہیے"۔

"اور کوئی سوال؟" مولانا نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

بہت بہت شکریہ مولانا! آپ نے شدید ترین مصروفیات کے باوجود اپنا قیمتی وقت میرے لیے وقف کیا، جس کے لیے میں آپ کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔

گویا کہ انٹرویو ختم ہو چکا تھا۔ لیکن حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کے یہ الفاظ کہ "اسلام فرد کے مفاد کے بجائے جماعتی مفاد کو مقدم قرار دیتا ہے" دیر تک میرے کانوں میں گونجتے رہے۔

انٹرویو

(یہ انٹرویو پہلے تو کراچی سے شائع ہونے والے ہفت روزہ "اخبار جہاں" کی زینت بنا۔ اس کے بعد جمعیۃ علما اسلام کے آرگن ہفت روزہ "ترجمان اسلام" لاہور نے ۷، نومبر ۱۹۶۹ء کی اشاعت میں شامل کرکے اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کیا۔ یاد رہے کہ ان دنوں ۷۰ء کے انتخابات کی گہما گہمی تھی۔ جگہ جگہ جلسے ہو رہے تھے۔ جلوس نکالے جا رہے تھے۔ ملک کی تمام پارٹیوں اور جماعتوں کے زعما، و علما، ملک گیر دوروں میں مصروف تھے۔ اگر آپ ان حالات کو مدِّ نظر رکھ کر مطالعہ کریں گے تو حقائق سے بھی پردہ اٹھتا چلا جائے گا اور آپ صحیح راستے بھی باآسانی قائم کر سکیں گے۔)

مردِ درویش

لاہور کی گنجان اور شور بھری سرکلر روڈ پر مسجد شاہ محمد غوث کے سامنے ایک پرانی سی عمارت کی پہلی منزل پر ایک کمرہ تھا اس پر "ترجمان اسلام" کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ کمرے میں چٹائی بچھی تھی۔ اس پر ایک سمت ایک کاتب مصروفِ کتابت تھا۔ ایک طرف دواؤں کی شیشیاں تھیں۔ ٹیلی فون، ترجمان اسلام کی فائلیں اور درمیان میں ململ کے کرتے، لٹھے کی شلوار اور ململ کی پگڑی میں ملبوس، آلتی پالتی مارے مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی اپنے عقیدت مندوں کو مسائل حاضرہ کے بارے میں کچھ بتاتے دکھائی دیتے تھے۔ یہی ان دنوں ان کا گھر بھی تھا اور دفتر بھی —— بعد میں وُہ صوبائی اسمبلی کے رکن بھی منتخب ہوگئے۔ مگر یہ کمرہ انھوں نے نہیں چھوڑا۔
اب کراچی بھی ان سے ملاقات کچھ ایسے ہی ماحول میں ہوتی۔ فرق اتنا

سا تھا کہ چٹائی پر چاندنی بچھی ہوئی تھی اور یہ نیو ٹاؤن کراچی کے مدرسے کا ایک حجرہ تھا۔ عینک کے دبیز شیشوں میں سے آنکھیں ایسے جھانک رہی تھیں جیسے کسی تاریخی کتاب کے الفاظ ، کھلتا ہوا رنگ مگر عمر کی دھوپ سے کچھ گندمی مائل ، پیشانی پر شکن ، چہرے پر گزرے دنوں کے نقوش ، لہجے میں طویل مسافت کی گونج ، آواز میں بڑھاپے کے باوجود جوانی ۔ میں اپنے دس سوالات لے کر مولانا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا ۔ میں سوال کرتا تھا وہ نہایت اطمینان اور اعتماد سے جواب لکھواتے جا رہے تھے ۔ کہیں سلسلہ کلام کٹ نہیں رہا تھا ۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی آج سے ۷۴ برس پہلے ہزارہ میں پیدا ہوئے تھے ۔ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی ۔ سیاسی زندگی کا آغاز ۱۹۲۲ء سے ہوا شروع شروع میں انہوں نے مذہبی اصلاحی خدمت جاری رکھی ۔ کہنے لگے اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرماتے تو بڑی بات ہے ۔ ۱۹۳۰ء سے انہوں نے صوبہ سرحد میں انگریز کے خلاف کام شروع کر دیا تھا ۔ وہ اس وقت خدائی خدمت گار تحریک سے وابستہ تھے ۔ ۱۹۳۲ء سے قید و بند کے دور کا آغاز بھی ہو گیا ۔ قریباً ایک برس جیل میں گزارا ۱۹۳۴ء میں شریعت کانفرنس پشاور کا اہتمام کرنے والوں میں وہ پیش پیش تھے اور اسی سال صوبہ سرحد میں جماعت احرار بھی قائم ہو گئی تو مولانا اس میں شامل ہو گئے ۔ اس سلسلہ میں ہونے والی ۱۹۳۴ء میں آل انڈیا کانفرنس سیالکوٹ کی صدارت انہوں نے کی ۔ اس کے بعد ایجی ٹیشنوں میں بھی حصّہ لیا ۔ انہوں نے نہایت فخر سے کہا : اللہ تعالیٰ نے مرزائیت کے عظیم فتنے کے مقابلے میں صوبہ سرحد میں خدمت کی توفیق عطا کی ۔ ۱۹۳۸ء میں وہ کانگریس سے بالکل علیحدہ ہو گئے ۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہونے کے ساتھ ہی انگریز کی فوج میں بھرتی ہونے کے خلاف سول نافرمانی کرتے ہوئے جیل چلے گئے ۔ اس تمام عرصے میں وہ جمعیۃ العلماء ہند کے ممبر رہے ۔

انھوں نے بتایا کہ "پھر پاکستان بننے کے بعد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی منشاء کے مطابق ہم ہر دو مکتب فکر کے لوگ جمع ہوئے اور جمعیۃ علماء اسلام کے نام سے کام شروع کر دیا۔ جس میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا احتشام الحق تھانوی وغیرہ سب حضرات شریک ہوئے تھے ۱۹۵۶ء میں جمعیۃ علماء اسلام کا دور جدید شروع ہوا جس کی امارت حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ نے قبول فرمائی ۱۹۵۸ء تک ملک بھر میں جمعیۃ علماء اسلام کی تقریباً دو ہزار شاخیں بن گئیں۔ پھر ایوب خانی مارشل لاء شروع ہوا۔ سیاسی جماعتوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔ ہم نے نظام العلماء کے نام سے کام شروع کر دیا۔ عائلی قوانین کے خلاف ملک بھر میں آواز اٹھائی۔ بے حیائی اور بے دینی کے خلاف سینہ سپر ہوئے۔ ہماری داخلہ، خارجہ نقل و حرکت اور زبان پر لگاتار پابندیاں لگتی رہیں لیکن ہم نے تمام مشکلات کے باوجود کام جاری رکھا۔ ۱۹۶۲ء میں مغربی پاکستان اسمبلی کا رکن بنا اور خدا کی مہربانی سے صوبائی اسمبلی میں عائلی قوانین کے خلاف عظیم اکثریت سے تجویز پاس کرائی تو عوام کے سامنے یہ بات آئی کہ مسلمان پبلک علماء کے ساتھ ہے۔ لندن کے اخبارات نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا۔ ۱۹۶۴ء اور ۱۹۶۵ء میں موتمر عالم اسلام میں شرکت کے لیے قاہرہ گیا اور وہاں دیکھا کہ حکومتِ مصر نے کمیونزم اور مرزائیت کو خلافِ قانون قرار دیا ہے اور دستور میں اعلان موجود ہے کہ مملکت کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔ ۱۹۶۵ء میں بھارت نے حملہ کیا تو جمعیۃ علماء اسلام نے سارے ملک کے اندر لاکھوں روپے جمع کر کے دفاعی فنڈ میں جمع کیے۔ ۱۹۶۷ء میں جب یہودیوں نے امریکہ کے ایماء پر عربوں پر حملہ کیا۔ مودودی پارٹی اور ظفر احمد انصاری نے عربوں اور خاص کر صدر ناصر کے خلاف انتہائی خطرناک پروپیگنڈا شروع کیا تو جمعیۃ نے اس مکروہ پروپیگنڈے کا منہ توڑ جواب دیا اور اب جب کہ یہودی مسجد اقصیٰ کو شہید کرنے والے تھے اور جنگ

کے بادل عربوں کے سر پر منڈلا رہے تھے۔ پاکستان میں عراق کی گورنمنٹ کے خلاف خطرناک جھوٹا پروپیگنڈا ہوا اور اس مقصد کے لیے ایک امریکی ایجنٹ ساطع الحیلی نے بھی ملک کا دورہ کیا۔ مگر الحمدللہ جمعیت علماء اسلام نے پروپیگنڈے کے ان توپ خانوں کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔ اب جب کہ یہودیوں نے مسلمانوں کے دلوں کو شدید مجروح کیا اور امریکہ نے ان پر نمک پاشی کی تو جمعیۃ علماء اسلام نے ڈیرہ ڈویژن کے قبائلی علاقے سے پچاس ہزار قبائلی مسلح مجاہدین بھیجنے کا اعلان کیا مغربی پاکستان کے دوسرے علاقوں سے بھی ہزاروں رضاکار بھرتی کر کے روانہ کرنے کا اعلان کیا اور جمعیۃ نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ امریکہ سے تعلقات منقطع کرے اور پاکستان میں یہودیوں کی املاک ضبط کر کے مسلمانوں کے زخم پر مرہم رکھے اور عالم اسلام کی رہنمائی کرنے کا فریضہ سرانجام دے۔"

ہاں تو کرسیوں پر بیٹھنے کی عادت چٹائی پر بیٹھنے میں بار بار حارج ہو رہی تھی۔ بار بار پہلو بدل رہا تھا۔ علماء کرام کی تصاویر کے سلسلے میں ریاض کو بڑی دقت ہوتی ہے اور اسے بالکل اس طرح بیٹھنا پڑتا ہے جیسے شیر کے شکار کے لیے شکاری مچان میں بیٹھتے ہیں۔ وہ میرے پیچھے بیٹھ گیا تھا۔ تاکہ وہاں سے ٹھیک ٹھیک نشانے لگا سکے۔

محمود شام

اسلامی نظام کا نفاذ

میں نے پہلا سوال کیا کہ پاکستان کا مسئلہ نمبر ا کیا ہے ؟

کہنے لگے پاکستان کے اندر اسلامی نظام اور اسلامی اقدار کا نفاذ۔ اگر یہاں اسلامی اقدار نافذ ہو گئیں اور اسلامی آئین مرتب ہو گیا اور پھر اس پر مخلصانہ طور سے عمل درآمد بھی کیا گیا تو پاکستان دنیا کی قوی ترین حکومتوں میں شمار ہو جائے گا۔ کشمیر وغیرہ سارے مسائل کا حل آسان ہو گا۔ بلکہ پاکستان فلسطین اور عربوں کے دوسرے مسائل کو بھی حل کروا سکے گا۔ اس کا محل وقوع ایسا ہے کہ یہ دنیا کی بڑی بڑی حکومتوں پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ اس وقت پاکستان خود کو کمزور سمجھ کر کمزور آدمی کی بیوی کی طرح ہر ایک کو "بھائی بھائی" کہہ رہا ہے اگر یہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر اور صرف پاکستان اور اسلامی مفاد کے لیے خارجہ، داخلہ پالیسیاں مرتب کرے تو یہ تمام عالم اسلام کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ اس وقت روس اور امریکہ فطرتاً اور دوسرے چین کی مخالفت کے سبب بھارت کو مضبوط دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ وہ بات ہے جو کسی طرح ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ اس لیے چین سے نظریاتی اختلاف کے باوجود ہمیں اس کو سیاسی حلیف بنانا پڑے گا۔ جیسے کہ حکومت مصر نے کمیونزم اور مرزائیت کو خلافِ قانون قرار دیتے ہوئے اشتراکی ممالک سے معاہدات کر رکھے ہیں جن سے اسلحہ وغیرہ خرید کر وہ دو سال کے اندر اندر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو چکے ہیں۔

نفاذ کے طریقے

میں نے قطع کلام کیا "اسلامی نظام کیسے لایا جائے ؟

"اسلامی نظام لانے کے دو طریقے ہیں" ہزاروی صاحب کہنے لگے۔

پہلا تو یہ کہ عوام کے اندر اتنی جدوجہد کی جائے کہ یہاں کے بارہ کروڑ مسلمانوں کا

ذہن خالصتاً اسلامی ہو جاتے۔ اس صورت میں ان کی نمائندہ اسمبلی اور نمائندہ حکومت خود بخود اسلامی ہی بن جائے گی۔ اس کو پہلے پہل مودودی صاحب نے اختیار کر کے اس پر زور دیا تھا اور قومی بنیاد پر مسلمانوں کی علیحدہ حکومت کی کوشش کو تضیع اوقات قرار دیا تھا اور جمہوریت کو ایک غیر اسلامی اور لعنتی حکومت قرار دیا تھا۔ جس پر وہ قائم نہ رہ سکے اور آخر کار جمہوریت جمہوریت کے نعرے بلند کرنے لگے۔ لیکن یہ طریقہ بہت کوشش اور خاصے لمبے عرصے کا طلب گار ہے۔

دوسرا طریقہ اسلامی نظام لانے کا یہ ہے کہ جو حکومت قوم کی نمائندگی کا دعویٰ کرے اور اسلام کو اونچا دیکھنا چاہے وہ خالص اسلامی آئینی نظام کے نفاذ کا اعلان کر دے۔ آج جب کہ حکومت کے ہر ریگولیشن اور آرڈی ننس پر عوام "آمنّا و صدقنا" کہ دیتے ہیں۔ شرعی قوانین کے نفاذ پر بھی کوئی شخص مخالفانہ رائے کا اظہار نہ کر سکے گا۔ یہ سب سے قریبی راستہ ہے اس لیے اہل احساس ملک میں اچھے لوگوں کی حکومت قائم کرنے کے لیے جدوجہد کیا کرتے ہیں۔ اسلام میں امام کی اصلاح کی ذمہ داری مقتدیوں پر ڈالی گئی ہے۔ اسی طرح رعایا کی دینی اور دنیوی صلاح و فلاح کی ذمہ داری ارباب اقتدار پر ہے اور ارباب اقتدار اگر شریعت سے بغاوت کریں تو ان کو درست کرنے کی ذمہ داری رعایا پر ہے۔"

بہتر نظامِ حکومت

"پاکستان کے لیے کونسا نظام حکومت بہتر ہے" ؟ میں دوسرا سوال دریافت کر رہا تھا۔ مولانا فرمانے لگے :

"اسلام نے وحدانی، وفاقی، پارلیمانی، صدارتی وغیرہ نظام ہائے حکومت میں سے کسی پر خاص طور سے قدغن نہیں لگائی۔ اسلام کا مطالبہ ایک ہی ہے کہ جو حکومت بھی قائم ہو وہ اپنے آپ کو نائب السلطنت اور خدائی احکام کے نفاذ کے لیے خلیفہ تصور کرے۔ اس صورت

میں جو بھی حکومت ہوگی وہ خدا کی رحمت ثابت ہوگی اور اس سے ہٹ کر جو حکومت بھی ہوگی وہ قوم کے لیے ایک ابتلا ثابت ہوگی۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ آج کل مودودی پارٹی کے بعض لوگ ۳۱ علماء کے ۲۲ نکات سے اعراض کرتے ہوئے دبی آواز میں کہتے ہیں کہ اسلام میں جمہوریت نہیں ہے، ان کا موقف بالکل غلط ہے۔"

یک جہتی کا موثر اقدام

"میرا تیسرا سوال تھا" مشرقی و مغربی پاکستان میں یک جہتی اور دونوں بازدوں کو ایک دوسرے کے قریب تر لانے کے لیے سب سے مؤثر اقدام کیا ہوسکتا ہے؟"

"کہنے لگے" مشرقی اور مغربی پاکستان میں نہ زبان ایک ہے نہ تہذیب ایک، نہ تمدّن ایک نہ شکل و شباہت ایک ہے۔ ان کو اگر کوئی چیز آپس میں متحد رکھ سکتی ہے تو وہ اسلام اور صرف اسلام ہے۔"

میرے اس سوال کے جواب میں انہوں نے مزید کہا" دنیا کی بعض قومیں جو اسلام پر اعتقاد رکھتی ہیں بسا اوقات وہ بھی ایک ہوجاتی ہیں۔ لیکن اس کا تعلق باہمی اعتقاد سے ہے۔ ہماری گذشتہ حکومتوں نے مشرقی پاکستان کی عددی اکثریت کو غیر مؤثر کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا اس نے مشرقی پاکستان کے لیڈروں کو مغربی پاکستان کی بے انصافی اور حاکمانہ خواہش کے خلاف پروپیگنڈا کا خوب موقع دیا اور اب بات خود مختاری کے الفاظ تک پہونچ گئی ۔۔ اگر حکومت اس سلسلے میں مؤثر اقدامات کرنا چاہتی ہے تو وہ اس کا انتظام کرے کہ مشرقی پاکستان کے عربی کے ہزاروں طلباء اور دیگر نوجوانوں کو مغربی پاکستان میں تعلیم دی جاتے۔ اور مغربی پاکستان والوں کو مشرقی پاکستان میں، اور دونوں جگہ ان مسافر طلباء کی پوری پوری عزت افزائی کی جائے۔ پھر دونوں حصوں میں علماء کی کانفرنسیں منعقد کی جائیں۔ اگر حکومت ایسے اقدامات کرنا چاہے گی جیسے ایک بار چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف نے یہ خیال ظاہر بھی کیا

تھا۔ تو وفاق المدارس عربیہ مغربی پاکستان اور جمعیۃ علماء اسلام اس سلسلے میں پورا پورا تعاون کر سکتی ہے "۔

خارجہ پالیسی

خارجہ پالیسی کی بات چلی تو اُن کا کہنا تھا :

"خارجہ پالیسی کے بارے میں میرا وہی جواب ہے کہ اس کی بنیاد محض پاکستان اور اسلامی مفاد پر ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی ممالک سے بھی اسلامی برادرانہ تعلقات پر زیادہ زور دیا جائے اور اس وقت اگر پاکستان ہمت کر کے عربوں کو فوجی امداد دینے میں پہل کرے اور ملک کے اندر تمام یہودی املاک و اموال ضبط کر کے عربوں کی امداد کرے تو پاکستان دنیائے اسلام میں اپنے شایان شان مقام حاصل کر سکتا ہے اور اگر وہ ایک قدم اور آگے بڑھا کر امریکہ اور ان مغربی ممالک سے سفارتی اور تجارتی تعلقات منقطع کرنے کا اعلان کر دے جو یہودیوں کو موجودہ ڈھٹائی اور مسلم آزاد پالیسی کے باوجود فوجی امداد دے رہے ہیں۔ تو اس پالیسی سے پاکستان عالمِ اسلام کا مرکز بن جائے گا اور دوسری طرف اس کی خارجہ پالیسی قطعی طور سے یک طرفہ ہو کر بہترین حلیفوں کے میسر آنے کا سبب بن جائے گی۔

اس وقت جتنی ضرورت عالمِ اسلام کو اتفاق و اتحادِ باہمی کی درپیش ہے۔ اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔ مشکل یہ ہے کہ مغربی سامراجیوں نے بہت سے مسلم ممالک میں اپنی ریشہ دانیوں سے اثر و نفوذ پیدا کر کے مسلم ممالک کو ایک دوسرے سے دور کر رکھا ہے۔ جیسے کہ ترکی امریکہ کے ساتھ معاہدوں میں جکڑا ہوا ہے۔ لیکن بعض عرب ممالک کے اسلحہ وغیرہ کے سلسلے میں مشرقی یورپ سے بھی تعلقات ہیں۔ اسی طرح پاکستان اپنی مقامی پوزیشن کی خاطر چین سے اچھے تعلقات کے لیے مجبور ہے۔ تو بعض امریکہ دوست مسلم ممالک کے دل میں یہ بات کھٹک رہی ہے۔ اگر ان غلط خارجی اثرات سے علیحدہ ہو کر مسلم حکومتیں محض اسلام کی سربلندی کے

لیے آپس میں فوجی اور تجارتی معاہدات کر کے ان پر عمل شروع کر دیں تو یہ اتنی بابرکت چیز ہوگی کہ نہ صرف ان کا دشمن زیر ہوگا، بلکہ دنیا کی عظیم سلطنتیں مسلمانوں سے اچھے روابط قائم کرنے پر فخر کریں گی ۔"

اقتصادی پریشانی کا حل

میں نے عرض کیا عوام کی اقتصادی پریشانی کا فوری اور واقعی حل چند خاندانوں میں سمٹی ہوئی دولت پورے ملک کے عوام کی خوش حالی کا ذریعہ کیسے بن سکتی ہے ؟

ان کا جواب تھا : "عوام کی مشکلات، اشیائے صرف اور ضروریاتِ زندگی کے فقدان یا کمیابی کی وجہ سے ہوتی ہیں، لیکن اگر ہم ملک کی ایسی پیداوار کو باہر بھیجنا بند کر دیں تو ہمارا ملک خوراک کے مسئلے میں قطعی خود کفیل ہو سکتا ہے۔ یہی حال کپڑے کا ہے۔ جو کپڑا پاکستان میں بنتا ہے وہ باہر کے ملکوں میں تو بارہ آنے گز ملتا ہے، مگر پاکستان میں اس کی قیمت دو روپے گز ہے۔ پاکستان میں یہاں کی ضروریات کے مطابق فولاد کے کارخانوں کا نہ ہونا اور ریلوے انجن، ریلوے کے ڈبے اور فیکٹریوں کی مشینری بیرونی ممالک سے درآمد کرنے سے ملک کا بڑا بھاری نقصان ہوتا ہے۔ کارخانوں کی زیادتی سے مقامی لوگ بڑی تعداد میں روزگار سے محروم ہو جاتے ہیں۔ بڑھئی، لوہار، موچی اور پارچہ باف وغیرہ تمام صناع مشینوں کی وجہ سے بے کار ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ سڑکوں پر موٹر سے چھڑکاؤ کرنے سے سقے بیروزگار ہو جاتے ہیں۔ اگر حکومت چھوٹی صنعتوں اور گھریلو کاروبار کی ہمت افزائی کرے، یا کارخانوں میں ان تمام لوگوں کو ان کے شایان شان اجرت دے کر کام پر لگائے تو بڑی حد تک دشواریاں ختم ہو سکتی ہیں۔ ملک کی اقتصادی کمزوری کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ حکومت نے لاکھوں ایکڑ زمینیں ان لوگوں کو دے رکھی ہیں جو خود کاشت کاری نہیں کرتے اور اس طرح زمینوں سے کما حقہٗ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ سابق سے سابق اسمبلی میں حکومت نے بل پیش کر کے ایک یہ آرڈی ننس پاس کر دیا تھا کہ سندھ کے بہت سے بیراجوں کا پانی

استعمال کرنے والے پرانے زمینداروں پر ٹیکس لگایا جاتے اور جن کو مربعے ملے ہیں اور نئی نہروں سے وہ اپنی اراضی کو سیراب کرتے ہیں ان لوگوں کو اس ٹیکس سے مستثنیٰ کیا جائے۔ اس پر غضب یہ تھا کہ پرانے لوگوں پر ٹیکس لگانے کے خلاف کوئی اپیل نہیں کی جا سکتی تھی اور اگر پانی کسی سال میسر نہ ہو تو بھی ان کو ٹیکس دینا لازمی سمجھا جاتا تھا۔ اس کے خلاف میں نے بڑی سخت تقریر کی تھی۔ مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔

اس وقت مغربی پاکستان کی مشرقی سرحدوں پر جو زمینیں سابق فوجیوں کو دی گئی ہیں اگر یہ لوگ وہاں خود سکونت اختیار کرتے تو یہ سرحدی نقطۂ نظر سے بہت مفید ہوتا، لیکن ان میں سے اکثر زمینوں کو مزارعین کے حوالے کر کے خود دوسرے علاقوں میں چلے گئے۔ میری رائے میں اگر حکومت یہ جرأت مندانہ اقدام کرے کہ اس قسم کی ساری اراضی شرعی طور پر میواتی قوم کے حوالے کر دے، جو سرحدی مقامات میں رہتے ہیں اور جہاد کے جوش سے سرشار ہیں تو یہ اقتصادی اور فوجی دونوں لحاظ سے نہایت مفید ہوگا۔

میرا قلم چل رہا تھا اور ہزاروی صاحب نہایت تسلسل سے بولے جا رہے تھے: "ہماری اقتصادی مشکلات کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں غیر ضروری اشیاء کی تجارت پر پابندی یا غیر معمولی ٹیکس عائد کر دیے جائیں تو یہ بھی دوگونہ فائدے کا حامل ہوگا۔ جن لوگوں نے ساری قوم کے حقوق غصب کر کے دولت سمیٹی ہے۔ ان میں زیادہ تر وہ لوگ ہیں جن کو حکومت نے بیرونی ممالک سے ادھار مشینیں خرید خرید کر دی ہوئی ہیں اور ان قرضوں کی ذمہ داری تمام قوم اور حکومتِ پاکستان پر ہے۔ جب کہ یہ قرضے پاکستان کو دیے گئے تھے نہ کہ مخصوص افراد کو۔ اس لیے ایسے تمام کارخانے قومی قرار دیے جا سکتے ہیں۔ اگر حکومت درآمد شدہ مشینوں کو پرانے مل مالکوں کے سوا دوسرے لوگوں میں تقسیم کرتی تو آج درمیانے درجے کے ہزاروں صنعت کار موجود ہوتے جو ملک کے لیے از حد مفید ثابت ہو سکتے تھے۔ چند خاندانوں کو حکومت گارنٹی دیتی ہے اور وہ ہمیشہ ہر غلط حکومت کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں۔ آج کل اسی قسم کے

لوگ مزدوروں اور کسانوں کے حقوق کے لیے آواز بلند کرنے والوں کے خلاف سوشلسٹ کا الزام گھڑ کر اور بہت سے لالچی مولویوں کا ضمیر خرید کر پروپیگنڈا کرواتے رہتے ہیں۔ اسی طرح سود سے چلنے والے ہر کاروبار کو حکومت قبضہ میں لے کر اصلاح حال کرتی ہوئی عوام کے لیے مفید بنا سکتی ہے۔ آج کل ایک وجۂ تکلیف کی یہ بھی ہے کہ مختلف کارخانہ داروں اور ان اونچے سرمایہ داروں کی حمایت کرتے ہوئے مقامی حکام مزدوروں کے خلاف کارروائیاں کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح یہ بڑے لوگ مزدوروں کے حقوق کو دبا کر اور ان کا خون چوس کر اپنی بلڈنگیں بناتے رہتے ہیں۔ کندیاں ضلع میانوالی میں ہڑتال کرنے والے مزدور لیڈروں کا جیل میں رہنا اور بعض دوسری جگہوں میں مزدوروں کے حقوق پر ڈاکے ڈالنا اور ان کو آنے والے متوقع حالات سے مرعوب ہو کر ابھی سے دھمکیاں دینا اور پریشان کرنا ایسی باتیں ہیں جن کی تلافی مارشل لار حکومت کو فوراً کرنی چاہیے۔

زرعی ترقی

ہزاروی صاحب نے توقف کیا تو میں سمجھ گیا کہ اب وہ اگلا سوال چاہتے ہیں۔ میں نے ڈائری سے نظر اٹھائی اور سوالنامے میں سے چھٹا سوال پڑھا۔ "بنیادی طور پر زرعی ملک پاکستان میں زراعت کو ملکی خوش حالی کا سرچشمہ بنانے اور ترقی یافتہ زرعی ملکوں کے برابر لے جانے کے لیے کیا قدم اٹھایا جانا چاہیے۔"

انھوں نے پہلو بدلا اور گاؤ تکیے سے ٹیک لگائی اور پھر نہایت تحمّل سے کہنے لگے "اس سلسلے میں علماء دین کے متفقہ فیصلے یا ایک دینی بورڈ کی رپورٹ پر کاشت کاروں کو شرعی حدود کے اندر اندر حقوق دیے جائیں جس سے وہ اطمینان کے ساتھ ساتھ زمینی پیداوار کو بڑھاتے چلے جائیں۔ دوسری بات یوں ہے کہ بے جا جاگیرداریاں اور انگریزی خدمات کے عوض مربعہ جات دیے گئے ہیں واپس لے کر غریب لوگوں میں تقسیم کر دیے جائیں جو زیادہ سے

زیادہ کاشت کرسکیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ سامانِ زراعت جدید ترین بنایا جائے اور زراعت میں ہر طرح کی آسانیاں بہم پہنچائی جائیں۔ سیم و تھور کے انسداد کا خاص انتظام کیا جائے۔ ملک میں بہترین بیج درآمد کیے جائیں، کھاد کے دیسی کارخانے وسیع پیمانے پر لگائے جائیں اور غیر مزروعہ رقبوں کو جلد از جلد حاجت مندوں میں تقسیم کرکے ان کو بھی زیر کاشت لایا جائے۔ آئے دن کے سیلابوں سے جو عظیم نقصان ہوتا رہتا ہے ایک عظیم منصوبے کے تحت ان کا انسداد بھی کیا جائے۔"

معکوس ترقی

"ساتواں سوال ہمارا یہ تھا۔" صرف بڑے بڑے شہروں میں صنعتی تنصیبات نے کیا چھوٹے شہروں، قصبوں اور دیہات کو اقتصادی پسماندگی کا شکار نہیں کر دیا اور معکوس ترقی کو جنم نہیں دیا"؟

کہنے لگے: اس کا جواب میرے پہلے بیان میں بڑی حد تک آچکا ہے۔ تاہم اتنی بات کا اضافہ ضروری ہے کہ درمیانے درجے کی صنعتیں ضرورت کے مطابق مختلف علاقوں میں قائم کرنی چاہئیں۔ میں جب ایم پی اے تھا اس وقت میں نے تحریک کی تھی کہ علاقہ کاغان ضلع ہزارہ میں لکڑی کے کارخانے قائم کیے جائیں۔ جن سے کروڑوں روپے کی آمدنی بھی ہوسکتی ہے اور لاکھوں مقامی افراد کو روزگار بھی مہیا ہوسکتا ہے۔ لیکن عموماً حکومت کے خاص طبقے صرف اپنے اپنے مفادات کا خیال رکھتے ہیں۔"

بیوروکریسی

میں کہہ رہا تھا" اس مسئلے کا کیا حل ہے کہ ہمارے ملک میں بیوروکریسی کی گرفت انتہائی

مضبوط ہوتی جا رہی ہے

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے فرمایا :

موجودہ حکومت نے بیسیوں سی ایس پی افسروں کے خلاف مؤثر کارروائیاں کر کے اصلاح کے لیے ایک اچھا قدم اٹھایا ہے۔ اگر انٹی کرپشن محکمہ خود کرپشن کا شکار نہ ہو تو وہ ان افسروں کی اصلاح کے لیے بڑا مؤثر ثابت ہو سکتا ہے، اب میں نے ایم پی اے ہونے کی حیثیت سے یہ تجویز پیش کی تھی کہ وہ اپنے ضلع میں دورہ کر کے ایسے افسران کے خلاف شکایات سننے کے لیے عام منادی کیا کریں۔ بیان دینے والوں کے خلاف قانونی کارروائی نہ ہو۔ اگر یہ ممبران کسی معاملے کا فیصلہ کروا سکیں، یا کسی کی شکایت خود طے کر سکیں تو فبہا، ورنہ مسئلے کے زیادہ سنگین ہونے کی صورت میں وزیر متعلقہ کو رپورٹ کریں۔ یہ بھی اصلاح کا ایک اچھا طریقہ تھا۔ ایک تجویز یہ بھی پیش ہوئی تھی کہ جن مظلوموں اور حاجت مندوں کی رپورٹیں تھانوں میں درج نہ کی جاتی ہوں ان کو ایس پی کے دفتر میں ایک صندوق کے اندر اپنی رپورٹیں اور شکایات داخل کرنے کی اجازت دی جائے ۔ مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ ! ایک بڑی خرابی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ بعض افسر براہ راست بھرتی کر لیے جاتے ہیں جب کہ نیچے سے بڑھتے بڑھتے ایک آدمی اپنی قابلیت کے لحاظ سے اونچے منصب کا حق رکھتا ہے۔ ایسے پرانے آدمیوں کو نظر انداز کر کے براہِ راست تقرر یقیناً غلط ہے۔"

تعلیمی مسائل

اب تعلیم کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ انھوں نے کہا "تعلیم کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور اس کے عام کرنے کے لیے حکومت خود سوچ رہی ہے۔ ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت نہیں ہے تو تعلیم سے کما حقہٗ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔"

"اب تک کی تعلیم میں بڑا نقص یہ تھا کہ ایک تعلیم تو صرف حاکم پیدا کرتی تھی اور دوسری

تعلیم محکوم۔ اس سلسلے میں حکومت نے اگرچہ پبلک اسکولوں اور بعض دوسرے اسکولوں کا امتیاز ختم کرنے کا اعلان کر دیا ہے، لیکن اس بات کی ضمانت اب بھی نہیں ہے کہ ہر تعلیم یافتہ کے لیے روزگار مہیا کیا جائے۔ حکومت نے ہر فن کے لیے علیحدہ کالج رکھے ہیں۔ اس فن میں مہارت کے بعد اس کو روزگار دینا بھی حکومت کا فرض ہے۔ اس سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ میٹرک تک تعلیم میں دینی اور دنیوی تمام ضروری معلومات آجانی چاہئیں۔ اس کے بعد اگر کوئی انجینئرنگ کالج میں جانا چاہے تو اسے وہاں بھیج دیا جائے، زراعتی کالج کی طرف جس کا رجحان ہو اسے وہاں بھجوا دیا جائے اور جو نوجوان وکیل مجسٹریٹ یا جج بننا چاہتے ہوں انھیں کسی دینی کالج میں داخل کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں ملک کے آٹھ دس فوقانی عربی مدارس کو بلا کسی اندرونی مداخلت کے اسلامی کالج تسلیم کر لیا جائے۔ ان کے فارغ التحصیل حضرات کو مذکورہ عہدے اسی گریڈ کے مطابق دیے جائیں جو گریڈ دوسرے فنون والوں کے لیے مخصوص ہیں۔ ملک میں اسلامی آئین، اسلامی قانون اور اسلامی فیصلوں کی صورت میں اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے ورنہ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ دوسرے کالج اور درسگاہیں تو حاکم پیدا کریں اور قرآن وحدیث کے علوم محکوم پیدا کریں۔"

طلبا اور نوجوانوں کا اضطراب

ہمارے آخری سوال "طلباء اور نوجوانوں میں پھیلے اضطراب کا کیا حل ہے" کے جواب میں مولانا کا پہلا جملہ تو یہ تھا کہ "طلبا کو غیر ملکی ایجنٹوں کے اشارے پر "اسلامی جمعیۃ الطلبہ" یا دوسرے ناموں سے کوئی جماعت قائم کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔" اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا "گذشتہ ہنگاموں نے بھی یہ ثابت کر دیا اور ۱۹۶۴ء میں مغربی پاکستان گورنمنٹ کے ایک پریس نوٹ میں بھی یہ بات آچکی ہے کہ :

اسلامی جمعیۃ الطلبہ کا تعلق مودودی جماعت سے ہے اور مودودی جماعت

کے بارے میں عوام میں جو شکوک و شبہات ہیں وہ اب کسی سے مخفی نہیں ہیں۔

ایک صاف بات جو حقائق پر پڑا ہوا پردہ ہٹا سکتی ہے، یہ ہے کہ ہر وہ ادارہ یا ہر وہ جماعت یا ہر وہ عالم جو امریکی سامراج کو اسلام دشمنی کی وجہ سے برا سمجھتا ہے اس کے خلاف مودودی پارٹی جھوٹا پروپیگنڈہ شروع کر دیتی ہے۔ خاص کر اس کی نگاہِ کرم جمعیۃ علماء اسلام، اس کے کارکنوں اور اس کے اداروں پہ ہے۔ چنانچہ میرے خلاف مودودی جماعت، ضمیر فروش افراد اور موشے دایان گروپ نے ایڑی چوٹی کا زور اس پروپیگنڈے پر لگایا کہ میں سوشلسٹ ہوں، میں بیسیوں بار اس کی تردید کر چکا ہوں۔ لیکن اپنی مخصوص اغراض کی خاطر یہ رٹ لگائے جا رہے ہیں۔ مگر قدرت نے اب فیصلے کا وقت بہم پہنچا دیا ہے۔ میں مودودی صاحب کو چیلنج کرتا ہوں کہ اس وقت امریکہ نے یہود کو ہوائی جہاز دے کر ستر کروڑ مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج کیا ہے۔ وہ آئیں اور میرے ساتھ ایک سٹیج پر تقریر کریں۔ میں سوشلزم اور کمیونزم کے خلاف تقریر کروں گا اور وہ امریکہ سے سفارتی اور تجارتی تعلقات منقطع کرنے کے لیے نہ صرف حکومت پاکستان بلکہ تمام مسلم ممالک سے مطالبہ کریں۔ اس طریق کار سے نہ کوئی مجھے سوشلسٹ کہہ سکے گا اور نہ مودودی جماعت کو امریکہ کا ایجنٹ۔ اور مسلمانوں کی وقتی ضرورت بھی پوری ہو جائے گی۔ امریکہ کے علاوہ ہمارے ملک کے بڑے بڑے مل مالکان اور اونچے سرمایہ دار بعض مولویوں کو موٹروں میں لیے لیے پھر رہے ہیں اور جمعیۃ علماء اسلام کے خلاف محض اس لیے سوشلزم کا پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ وہ غریب مزدوروں کے جائز شرعی حقوق کی حامی ہے۔ اگر یہ لوگ صحیح معنوں میں کمیونزم کے مخالف ہوتے تو انہیں جمعیۃ علماء اسلام کو مبارک باد دینی چاہیے تھی جس نے پاکستان لیبر پارٹی کو یہ یقین دلایا ہے کہ کمیونسٹوں کا یہ پروپیگنڈا صحیح نہیں ہے کہ اسلام میں مزدوروں اور کسانوں کے مسائل کا حل موجود نہیں۔ اسلام کامل دین اور مکمل مذہب ہے اس میں ہر غریب کے لیے روٹی کپڑے، تعلیم، علاج اور مکان کے لیے انتظام کی ضمانت موجود ہے اور ہر طبقے کے مسائل کا حل بھی مکمل طور پر بتایا گیا ہے۔ چنانچہ لیبر پارٹی اور جمعیۃ علماء اسلام نے پاکستان اور اسلام کی حفاظت کے لیے مشترکہ جدوجہد کا عہد

کرلیا ہے۔اس سے امریکہ کے ثالثوں، سامراج طاقتوں کے آلہ کار لوگوں اور مِل مالکان کو پسینے پڑ گئے ہیں۔ایک اہم نکتہ اس سلسلے میں سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جن لوگوں نے جمعیۃ علماء اسلام کے بارے میں یہ غلط پروپیگنڈہ کیا ہے کہ وہ سوشلزم کی حامی ہے۔انہوں نے دراصل کروڑوں مسلمانوں کے ذہن میں یہ تصوّر بٹھانے کی کوشش کی ہے کہ بعض علماء سوشلزم کو جائز قرار دے رہے ہیں۔یہ کتنا بڑا ظلم ہے۔ان لوگوں نے اس طرح اسلام کی بجائے سوشلزم کی خدمت کی ہے۔اس طرح ان نام نہاد اینٹی سوشلزم لوگوں نے علماء کا نام لے کر سوشلزم اور کمیونزم کے لیے میدان صاف کرنے میں مدد دی ہے۔"

آخر میں طلباء کی جماعتوں کے سلسلے میں انہوں نے مزید کہا کہ جو طالب علم اور اُن کی انجمنیں غیر ملکی تعلقات سے بری ہیں ان کی دینی اور ملکی خدمات پر کوئی قدغن نہ لگائی جائے۔ بلکہ ان کے تمام مطالبات منظور کر کے ان کی عزت افزائی کی جائے، کیونکہ مستقبل میں یہی قوم کے معمار بننے والے ہیں۔

اب تو واقعی اس حالت میں بیٹھنا مشکل تھا۔بات چیت ختم ہو گئی تھی اور کمرے سے باہر عقیدت مندوں کا ہجوم مولانا سے ملنا چاہتا تھا۔ میں نے ان کے درمیان مزید حائل رہنا مناسب نہ سمجھا۔اس لیے مولانا سے مصافحہ کر کے اجازت طلب کی۔جب میں دہلیز پر اپنی جوتیوں کی طرف بڑھا آرہا تھا تو ریاض نے چپکے سے بتایا کہ اس نے خاصی تصویریں بنا لی ہیں۔کام چل جائے گا۔

انٹرویو

(یہ وہ انٹرویو ہے جو لاہور سے شائع ہونے والے
۲۵ر جولائی ۱۹۷۰ء کے ہفت روزہ "قندیل" میں چھپا تھا)

تعارف

پاکستان کے عوام کی بدقسمتی یہ ہے کہ وہ گذشتہ کئی برس سے تجرباتی دوروں سے گذر رہے ہیں۔ اس مختصر سے عرصے میں انہوں نے سیاسی اور معاشی تبدیلیوں کے کئی دور دیکھے ہیں، لیکن ابھی تک کوئی دَور ایسا نہیں آیا جسے امیدافزا کہا جاسکے اب پھر نئی جمہوری حکومت کا نعرہ بلند ہو رہا ہے۔ آزادانہ انتخاب کی آمد آمد ہے ووٹروں کی فہرستیں تیار ہوچکی ہیں، انتخابی حلقے تقسیم ہوچکے ہیں اور قوم آنے والے اکتوبر کے مہینہ کی اس گھڑی کی منتظر ہے جب ملک میں جمہوری حکومت کا قیام عمل میں آئے گا۔ یہ مژدہ جانفزا بھی آج کل سنا جا رہا ہے کہ نئی قیادت ہمارے معاشرہ کے متوسط طبقے سے ابھرے گی۔ دوسری طرف اس خدشہ کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ ون یونٹ کی تنسیخ کے بعد حکومت پھر مٹھی بھر سرمایہ داروں، صنعت کاروں، اور وڈیروں کی آغوش میں نہ چلی جائے۔ یہ کش مکش جاری ہے اور اس کا فیصلہ پاکستان کے بارہ کروڑ عوام ہی کریں گے۔

وطن عزیز کو آزادی کی گراں مایہ متاع سے ہمکنار ہوئے تیئس برس ہو رہے ہیں۔ یہ بالکل بجا ہے آزادی کے وقت ہمارے سامنے ایک ٹھوس اور واضح نصب العین تھا۔ جس منزل کی طرف ہمیں بڑھنا تھا وہ معین تھی۔ نظریہ پاکستان کا مقصد یہ تھا کہ اس سرزمین پر ایک ایسی حکومت اور معاشرہ قائم ہو جو اسلامی اصولوں کے عین مطابق ہو۔ کیونکہ یہی نظام لوگوں کی سیاسی اور اقتصادی ترقی اور معاشی بہبود کا ضامن ہو سکتا ہے لیکن آزادی کے بعد قوم پر کٹھن گھڑی اب آئی ہے۔ جب کہ نظریاتی کشاکش اس حد تک بڑھتی جا رہی ہے کہ تحفظِ آزادی کا تصور بھی دھندلا رہا ہے۔ سیاست دان ایک دوسرے کے خلاف تعصب اور تنگ نظری کا اظہار کرتے ہوئے الزام تراشی اور دشنام طرازی میں اخلاقی اقدار اور سیاسی تقاضوں کو بھی فراموش کرتے جا رہے ہیں۔ افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ "اسلام پسند اور سوشلسٹ" کی اصطلاحوں نے "اسلام اور کفر" کی بحث کو ہوا دی ہے۔ ہر فریق ایک دوسرے کو شرپسند، غدار اور وطن دشمن قرار دینے میں پیش پیش ہے۔ سیاسی فضا اس قدر مکدّر ہو رہی ہے کہ نئی نسل کے لیے محب وطن کی پہچان مشکل ہو گئی ہے۔ گذشتہ کئی برس سے ہمارے سیاسی رہنماؤں نے عوام کے دلوں کی دھڑکنوں کو نہیں سنا، اگر ایسا ہوتا تو حالات اس قدر روبہ انحطاط نہ ہوتے۔ عوام کے دلوں کے اندر ایک اضطراب ہے کہ وہ مستقبل میں وجود میں آنے والی عوامی جمہوریہ کے لیے بہتر اور سچے محب وطن پاکستانی لیڈروں کا انتخاب کر سکیں۔ اس نقطۂ نظر سے ہم سیاسی رہنماؤں سے ملاقاتیں کر رہے ہیں اور ان سے ان کے ماضی کی روشنی میں ملک کی موجودہ سیاسی صورت حال اور ان کے اپنے عزائم اور وطن کو درپیش خطرات سے متعلق خیالات پوچھ رہے ہیں۔ اس بار ہماری ملاقات کُل پاکستان جمعیۃ علماءِ اسلام کے سربراہ جناب مولانا غلام غوث ہزاروی سے ہوئی۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ آپ اس جمعیتہ کے سربراہ ہیں جو تاریخی حقائق کی روشنی میں علماء حق کے اس سلسلہ کی کڑی ہے جس کا آغاز حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی مساعی سے ہوا اور جس نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے افکار و نظریات سے نشو و نما پائی۔ بعدازاں اس جہادی تنظیم کی سرپرستی شاہ عبدالعزیزؒ سیّد احمد شہیدؒ اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ایسے اکابر نے فرمائی اور اس تنظیم کے بزرگوں کی علمی تبلیغی، اصلاحی، تربیتی تحریکی اور اخلاقی طاقت اور قربانیوں کی بدولت ملک و ملت کو برطانوی استعمار کے جابرانہ تسلط سے نجات ملی اور خطہ پاک سرزمین پر مسلمانوں کی آزاد مملکت کی بنیاد پڑ گئی۔ آج یہی جمعیتہ علماء اسلام سیاسی میدان میں سرگرم عمل ہے اور کوشاں ہے کہ دس سالہ ایوبی آمریت کے بعد اقتدار غداروں کے ہاتھ میں دینے کے بجائے ان لوگوں کو سونپا جائے جو سچے مسلمان اور شمع رسالت کے پروانے ہیں۔ محترم مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے جمعیتہ کی یہ مختصر تاریخ بیان کی تو ذہن میں کئی سوال اُبھر آتے۔

ایم۔ ایس ناز •

موجودہ سیاسی صورتِ حال

ایک سوال کے جواب میں مولانا غلام غوث ہزاروی نے ملک کی موجودہ صورتِ حال پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں ہونے والے انتخابات فیصلہ کُن ہوں گے ہمیں آزادی حاصل کیے بائیس برس سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسی حکومت یہاں قائم نہیں ہو سکی جس سے عوام مطمئن ہوں۔ اس عرصہ میں حکومت نے جس قدر پلٹے کھائے اور جب نئی حکومت قائم ہوئی تو اس کے لیے دعوے یہی کیا گیا کہ وہ فلاحی ہوگی۔ لیکن انجام کار وہ فلاحی مملکت ثابت نہ ہو سکی اور عوام مطمئن نہ ہوئے۔ اس ناکامی کی اغلباً وجہ یہی ہے کہ جو بھی حکومت آئی وہ امریکہ یا برطانیہ کی وظیفہ خوار تھی۔ ان کے کارپردازان عوام سے ملنے، ان کے مسائل معلوم کرنے، انھیں اخلاقی، سماجی، معاشرتی بہبود کے وسائل مہیا کرنے اور اسلامی قدروں کو اجاگر کرنے کی بجائے غیر ملکی ایجنٹوں کے اشاروں پر چلتے رہے اور عوام وسیع تر محرومیوں کے سمندر میں بہتے چلے گئے۔ اب برسوں کے بعد پاکستانیوں کے دلوں میں امید کی یہ کرن جلوہ گر ہوتی ہے کہ جمہوریت اور خوش حالی کی منزل پانے کا پہلا سنہری موقع ہاتھ لگ رہا ہے، لہٰذا وہ کسی قدر مطمئن ہیں اور مستقبل کی طرف امید لگائے بیٹھے ہیں۔ چونکہ پاکستان کے قیام کا مقصد برّصغیر کے مسلمان عوام کو برطانوی دور کے غیر اسلامی اور ظالمانہ نظام کے قوانین سے نجات دلا کر اسلامی نظریات، اسلامی اخوّت اور اسلامی مساوات پر مبنی نظامِ حکومت قائم کرنا اور اسلامی معاشرہ کی تشکیل تھا۔ اس لیے اب ہر فرد کی یہی کوشش ہونی چاہیے کہ وہ اس مقصد کو پورا کرے تاکہ آزادی کے تقاضے خوش اسلوبی سے پورے ہو سکیں۔

"آپ کے خیال میں ملک کو زیادہ تر کن لوگوں سے خطرہ ہے؟ یہ ایک ضمنی سوال تھا مولانا ہزاروی گویا ہوئے کہ میرے خیال میں ملک کو سب سے زیادہ خطرہ سامراجی ایجنٹوں سے ہے جو غیر ملکی سرمایہ کے بل بوتے پر ملک میں انتشار پھیلا رہے ہیں اور انتخابات کی راہ میں

روڑے اٹکا کر مارشل لاء کو مستقل طور پر عوام پر مسلط رکھنا چاہتے ہیں
"کیا آپ کا اشارہ کسی خاص جماعت کی طرف ہے"
اس سوال پر مولانا غلام غوث ہزاروی نے کہا کہ میری مراد ہر ایسی جماعت سے عموماً اور جماعت اسلامی سے خصوصاً ہے۔ جو امریکہ سے امداد لیتی ہے۔ میں امریکہ کو پاکستان کا دشمن نمبر ایک سمجھتا ہوں کیونکہ وہ ہمارے ملک میں افتراق و انتشار پھیلا کر ہماری آزادی اور ہمارے دین کو ختم کرنے کے درپے ہے۔ لیکن ہم اس گھناؤنی سازش کو کبھی کامیاب نہ ہونے دیں گے۔

جماعتِ اسلامی — امریکی جماعت

گذشتہ دنوں مشرقی پاکستان کے مولانا راغب احسن صاحب نے یہ الزام لگایا تھا۔ کہ جماعت اسلامی نے ۱۹۴۸ء میں امریکی سفیر کے توسل سے ۴۰ ہزار روپیہ لیا تھا۔ جس پر شہیدِ ملت خان لیاقت علی خان نے امریکی سفیر کو ڈانٹ ڈپٹ کی تھی۔
جب یہ سوال مولانا غلام غوث ہزاروی کے سامنے رکھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے مولانا راغب احسن کا یہ مضمون نہیں پڑھا۔ مولانا راغب احسن ایسے ذمہ دار شخص نے اگر یہ بات کی ہے تو اس کا ثبوت بھی یقیناً ان کے پاس ہوگا۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں اور وثوق سے کہتا ہوں کہ جماعتِ اسلامی امریکہ کی جماعت ہے" قدرِ توقف کے بعد مولانا غلام غوث ہزاروی کہنے لگے کہ ۱۹۵۳ء میں انکوائری کورٹ میں مرزائیوں کے وکیل خواجہ نذیر احمد ایڈووکیٹ نے کہا تھا کہ جماعت اسلامی کو بیرونِ ممالک سے امداد ملتی ہے اور یہ سب کچھ اسی امداد کے طفیل ہو رہا ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب اینٹی قادیانی تحریک چلی تھی۔ خواجہ نذیر احمد ایڈووکیٹ نے حوالہ کے طور پر مزید کہا تھا کہ مولانا احمد علی صاحب لاہوری مرحوم نے ایک بار تقریر میں بھی فرمایا تھا کہ مودودی صاحب کو امریکہ سے امداد ملتی ہے۔ مزید براں مودودی صاحب نے ۱۹۵۵ء میں ازالہ حیثیت عرفی دائر کیا اور کہا کہ حضرت مولانا احمد علیؒ اور

آغا مُرتضیٰ احمد صاحب میکش نے ان کی شہرت کو داغ دار کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت مولانا احمد علیؒ اور میکش صاحب نے مودودی صاحب پر امریکی امداد لینے کا مقدمہ دائر کر دیا۔ دفعہ ۵۰۰/۵۰۱ کے تحت استغاثہ ابھی فیصلہ طلب تھا کہ مولانا داؤد غزنوی مرحوم کے مکان پر مودودی صاحب کی طرف سے صلح کی سعی کی گئی، مودودی صاحب مُصر تھے کہ حضرت مولانا احمد علیؒ اور میکش صاحب استغاثہ واپس لے لیں۔ میرے خیال میں یہ مودودی صاحب کا اقبال جرم تھا کہ ہم امریکی امداد لیتے ہیں، اگر مودودی صاحب پر امریکی ہونے کا محض الزام تھا تو پھر انھوں نے مقدمہ واپس لینے پر کیوں اصرار کیا اور صلح کی کوششیں کیوں کی گئیں۔

مولانا غلام غوث صاحب نے یہ بھی کہا کہ ۱۹۶۴ء میں مودودی پارٹی کے خلاف ہوم سیکرٹری گورنمنٹ نے پریس نوٹ جاری کیا تھا کہ جماعت اسلامی کو بیرونِ ممالک سے امداد ملتی ہے اور یہ جماعت ملک دشمن سرگرمیوں میں پیش پیش ہے۔

امریکی امداد کہاں سے ملتی ہے ؟

جماعت اسلامی کو امریکہ کی طرف سے زیادہ تر فنڈز کہاں سے ملتے ہیں ؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ مودودی صاحب کو بھارت اور مغربی جرمنی سے کانفرنسوں میں شرکت کے لیے دعوت نامے ملتے ہیں اس پر سابق وزیر داخلہ قاضی فضل اللہ نے مودودی صاحب کے خلاف ایک بیان بھی دیا تھا جس پر حکومت نے مودودی صاحب کا پاسپورٹ ضبط کر لیا تھا۔ قاضی فضل اللہ نے اپنے بیان میں مزید کہا تھا کہ بعض مغربی ممالک کی طرف سے مودودی صاحب کو کرایوں کی پیش کش بھی ہوئی ہے۔ اس سے زرمبادلہ پر اثر پڑنے کا اندیشہ تھا۔ اس وقت لیبیا امریکہ کے زیر اثر تھا اور مغربی جرمنی بھی، مودودی صاحب نے اخبارات میں قاضی فضل اللہ کے الزام کو چیلنج کرتے ہوئے کہا تھا کہ ثابت کرو کہ مغربی جرمنی اور لیبیا کے علاوہ کسی ملک نے

مجھے کرایہ کی پیش کش کی ہے۔ یہ بھی اقبال جُرم ہے۔" جناب غلام غوث ہزاروی کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ مودودی صاحب اقبال جرم کرتے ہیں، لیکن اس انداز میں کہ لوگ انہیں غیر ملکی ایجنٹ نہ سمجھیں

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر کہنے لگے " مجھے یاد ہے کہ ایک بار کاغذ کی بہم رسانی میں خلل پیدا ہوگیا تھا اور سارے پاکستان میں کاغذ کی شدید قلت تھی۔ اس موقع پر صرف جماعت اسلامی امریکہ سے کاغذ کے حصول میں کامیاب رہی۔ امریکہ نے وافر مقدار میں جماعت اسلامی کو کاغذ مہیا کیا۔ یہ کاغذ کن اختیارات کے تحت دیا گیا اور اس کی قیمت کیوں نہ وصول کی گئی۔ اس کا جواب آپ بہتر سوچ سکتے ہیں۔

ایک اور سوال کے جواب میں کہ امریکہ مودودی صاحب کی کتابیں اور جماعتِ اسلامی کا لٹریچر تھوک کے بھاؤ سے گراں قیمت پر خریدتا ہے۔" مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی چند لمحوں کے لیے اٹھے اور روزنامہ" امروز" ۳۱ مارچ ۱۹۷۰ء کا شمارہ لے آئے، جس میں میاں طفیل محمد نائب امیر جماعتِ اسلامی سے پوچھا گیا کہ امریکہ تمہاری کتابیں مہنگے داموں کثیر تعداد میں خریدتا ہے۔" میاں طفیل محمد صاحب کا جواب ہے کہ اگر امریکہ جماعتِ اسلامی کی کتابیں خرید کر تقسیم کرتا ہے تو پاکستانیوں کو اس پر فخر کرنا چاہیئے" اور آپ اس بارے میں کیا کہیں گے؟ استفسار پر مولانا ہزاروی جذباتی ہوگئے اور کہنے لگے کہ :

جس قیمت کے عوض جماعتِ اسلامی ایمان بیچے اور مودودی صاحب ضمیر فروشی سے کام لیں ہم اس پر فخر نہیں کرتے بلکہ لعنت بھیجتے ہیں

چور کی داڑھی میں تنکا

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے ایک خبر کی طرف توجہ مبذول کرواتے ہوئے

متذکرہ محاورہ کی دلچسپ صداقت کی تشریح کی ؛ فرمایا کہ صدر یحییٰ خان صاحب نے پچھلے دنوں کہا تھا کہ "میرے دل میں شبہات ہیں کہ بعض جماعتیں غیر ممالک سے امداد لیتی ہیں" اس پر مودودی صاحب نے فوراً یہ بیان داغ دیا کہ "ایسی جماعتوں کے متعلق تحقیقات کی جائیں۔ اور میرے خیال میں مودودی صاحب کا یہ بیان "چور کی داڑھی میں تنکا" کے ضمن میں آتا ہے"۔

ذہن میں ایک اور سوال اُبھرا " مولانا یہ بتائیے کہ جماعت اسلامی کو کن ذرائع سے امریکی امداد ملتی ہے ؟ "

مولانا غلام غوث صاحب نے فرمایا کہ یہی سوال ہر بار جماعت اسلامی دھراتی ہے ایک مرتبہ سابق وزیر حبیب اللہ خاں نے جب جماعت اسلامی پر الزام لگایا کہ یہ امریکہ سے امداد لیتی ہے تو ان سے کہا گیا کہ عدالت میں ثبوت پیش کیا جائے ۔ اس پر حبیب اللہ خان صاحب نے کہا تھا کہ " بسا اوقات ایک شخص قتل یا چوری کرتا ہے ، لیکن اس کا عدالتی ثبوت نہیں ملتا — پھر امریکی امداد — تو ایسے غیر مرئی ذرائع سے ملتی ہے کہ منی آرڈر کی ضرورت ہے نہ رجسٹری کی ۔ امریکی سفارت خانے کے "خاص لوگ" گلی گلی کوچے کوچے ایسے ایمان فروش اور ملت دشمنوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں جو اُن سے امداد لیں — مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے مزید کہا کہ امریکی سفارت خانہ کے لوگ ٹیکسلا کی ایک فیکٹری میں ۵۰ سے ۹۰ ہزار روپے تک لوگوں میں تقسیم کر رہے ہیں تاکہ پاکستان میں صنعتی بے چینی پیدا کی جائے۔

علاوہ ازیں رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے لاکھوں روپے امداد ملنے کا اقرار خود مودودی صاحب کر رہے ہیں ۔ اخبارات میں یہ سب کچھ چھپ رہا ہے ۔ مودودی صاحب عالمِ اسلامی کے پلیٹ فارم سے اپنی " اسلامی خدمات " سرانجام دے رہے ہیں ، صدر ناصر کی شدید مخالفت کی جا رہی ہے اور پاکستان میں رہ کر ایسے طریق کار اختیار کیے جا رہے ہیں جن سے صرف یہود اور امریکہ کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کے نزدیک امریکہ سے امداد لینے کا ایک طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں کی بعض ایجنسیاں امریکہ سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں اور مودودی صاحب کی بھی عقیدت مند ہیں۔ ان کمپنیوں کے توسط سے بھی جماعت مودودی کو امداد ملنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اس ضمن میں مولانا نے ایک موٹرز کمپنی کا نام بھی لیا اور کچھ تفصیلات بھی بتائیں۔

امریکہ یہودی اور مودودی

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے بتایا کہ اس وقت دنیا میں دو دھڑے ہیں ایک امریکی اور ایک اینٹی امریکی۔ ساری دنیا ان دو دھڑوں میں منقسم ہے۔ امریکہ عربوں کے خلاف یہودیوں کو مسلسل امداد دے رہا ہے اور پاکستان دشمنی کے ساتھ ساتھ امریکہ کی طرف سے بھارت کو امداد اور اسلحہ کی ترسیل بھی جاری ہے لیکن مودودی صاحب کی طرف سے جو بیانات دیے جاتے ہیں وہ ہمیشہ امریکی مفادات کے لیے ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر جماعت اسلامی کے ایک لیڈر نے ویت نام میں امریکہ کی پالیسی کو سراہا تھا۔ دوسرے ڈاکٹر عبدالرحیم سوکارنو کی وفات پر جماعت اسلامی کی طرف سے تعزیت کا کوئی بیان جاری نہیں ہوا۔ حالانکہ انڈونیشیا میں جب سوکارنو حکومت کا تختہ الٹا گیا تو مودودی صاحب نے ایک کتاب لکھ ڈالی جس میں انقلاب کی ذمہ داریاں ڈاکٹر سوکارنو کے غیر اسلامی اعمال اور اشتراکیت پسندی پر ڈالی گئی تھیں۔

جناب مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مودودی صاحب اور میاں طفیل محمد ہر روز اخبارات میں یہ بیان دیتے ہیں کہ مصر، شام، عراق، لیبیا، الجزائر اور یمن قصرِ کفر میں گھر گئے ہیں۔ یہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ یہود عربوں پر گولے برسا رہے ہیں اور یہودی (معاف کیجیے مودودی) پارٹی ان اسلامی ممالک پر فتووں کے گولے برسا رہی ہے اس سلسلہ کی ایک کڑی یہ ہے کہ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ شروع ہوئی تو سب سے پہلے جماعت اسلامی کی طرف سے صدر ناصر کے خلاف ساری دنیا میں پروپیگنڈا کیا گیا۔ یہاں تک

کہ اُردو ڈائجسٹ میں ظفر احمد انصاری صاحب نے جو جنیوا میں امریکہ کے وظیفہ خوار اور ساری دنیا میں امریکہ کے حق میں پروپیگنڈا کرنے پر مامور ہیں۔ لکھا کہ صدر ناصر امریکہ کا ایجنٹ ہے۔ یہ سراسر جھوٹ تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ صدر ناصر نے فرعون کے مجسمہ کے نیچے قرآن پاک دفن کرایا ہے۔ تحقیقات پر یہ سب باتیں من گھڑت ثابت ہوئیں۔

اس تفصیل کے بعد مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی پوچھنے لگے کہ اب آپ ہی بتائیے کہ یہ ساری باتیں کس کے حق میں جاتی ہیں۔ کیا یہودیوں کے مفادات میں امریکہ اور جماعتِ اسلامی کو علیحدہ علیحدہ کیا جاسکتا ہے اور کیا مودودی صاحب اسلام کی یہ خدمت کر رہے ہیں؟

اسلام اور سوشلزم کی جنگ کیوں ؟

جمعیت علماء اسلام کے سربراہ سے سوشلزم کے متعلق رائے طلب کی گئی تو وہ جذبات آمیز لہجے میں کہنے لگے کہ میں اس سوال کے جواب میں ایک اہم بات کہنا چاہتا ہوں کہ کل پاکستان جمعیت علماء اسلام کے تمام ارکان سچے سنّی مُسلمان ہیں اور ہماری جماعت اس ملک میں اسلامی دستور اور اسلامی آئین کے سوا کسی دوسرے "ازم" کو برداشت نہیں کر سکتی۔ جو شخص بھی اسلام کو ناقص قرار دے کر اس کی جگہ کسی اور نظام کو لانا چاہتا ہے ہم اس کو قطعاً غلط کار کہتے ہیں، مگر باوجود اس کے جماعت اسلامی اور اس کے زرخرید مولوی ہم پر مسلسل یہ الزام لگاتے چلے آرہے ہیں کہ ہم سوشلزم یا اشتراکیت کے حامی ہیں۔ ہم ان کے اس الزام کی تردید کے لیے لعنت اللہ علی الکاذبین (یعنی جھوٹوں پر خدا کی لعنت) کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہم پر یہ بہتان ہے۔ ہم میں اور مودودی صاحب میں اتنا واضح فرق ہے کہ ہم امریکی سامراج کو اسلام اور پاکستان کا دشمن نمبر ایک سمجھتے ہیں اور اب یہ حقیقت واشگاف ہو جائے گی کہ مودودی ازم اور مودودی صاحب کے دم چھلے مولوی اور اینگلو امریکن کے اکساتے ہوتے مہرے اس بلاک سے دلچسپی رکھتے ہیں جو عالم اسلام ہی کا نہیں بلکہ ہر کمزور ملک کا دشمن ہے۔

چین کا دوستانہ سلوک

چین کے بارے میں آپ کا خیال ؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی اس سوال کو قطع کرتے ہوئے بولے کہ جس چین نے پاک بھارت جنگ کے وقت ہماری امداد کی اور اپنے اخلاقی دباؤ سے مشرقی پاکستان پر بھارت کے حملہ کو روکا۔ جماعت اسلامی اور مودودی صاحب چین کے خلاف پروپگنڈا کرنے اور ساتھ ہی عربوں کو بدنام کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ اس غلط پروپگنڈا سے پاک چین تعلقات بگڑنے کا اندیشہ ہے۔

حکمتِ عملی کا تقاضا

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے کہا کہ پاکستان میں امیر غریب کے حقوق کی جنگ کو کفر کا نام دے کر جماعت اسلامی سوشلزم اور اسلام میں مقابلہ کرا رہی ہے حالانکہ جو مصیبت ملک پر مسلّط ہے وہ سرمایہ دارانہ نظامِ حکومت اور سرمایہ دارانہ اقتدار ہے۔ اس لعنت کو اتار پھینکنے کی بجائے سوشلزم کے خطرے کو جو کہ مسلّط نہیں ہے اور نہ جس کے مسلّط ہونے کا اندیشہ ہے۔ قوم کو بتا بتا کر سوشلزم کے لیے راہیں ہموار کی جا رہی ہیں۔ اس نظریاتی انتشار سے امریکہ یا سرمایہ داروں کو فائدہ پہونچ سکتا ہے، یا پھر مودودی کی کافرانہ باتوں پر پردہ پڑ سکتا ہے اور وہ صحابہ کو گالیاں لکھ کر، پیغمبروں کی توہین کر کے اور قرآنی احکام میں تبدیلی کی اجازت دے کر بھی مسلمان کے مسلمان کہلاتے ہیں۔ حالانکہ وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے ہمیں اسلام کے صحیح دشمن کو پہچاننا چاہیے۔

سوشلزم جمعیۃ کی نظر میں

آپ اور آپ کی جماعت پر بھی سوشلسٹ ہونے کا لیبل چسپاں کیا جاتا ہے؟

اس سوال کو سن کر مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی چونکے اور کہنے لگے کہ ھم پر سوشلسٹ کا لیبل لگانے والے خود غدار ہیں ہم کسی سوشلزم کے قائل نہیں ہیں۔ ہم دین اسلام کو کامل دین سمجھتے ہیں اور اسلام کو مزدوروں، کسانوں اور امیر و غریب کے تمام مسائل کے حل کا ضامن تصور کرتے ہیں۔ ہم نے پاکستان لیبر پارٹی اور ملک کے پچاس لاکھ مزدوروں کو یہ باور کرایا ہے کہ کمیونسٹوں کا یہ پروپیگنڈا قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے کہ اسلام تم کو روٹی نہیں دے سکتا، یا تمہاری مشکلات کا حل پیش نہیں کر سکتا، یا اسلام کارخانہ داروں اور سرمایہ داروں کے ناجائز مال کا محافظ ہے۔ ہم مزدوروں اور محب وطن پاکستانیوں کو یہ یقین دلاتے رہتے ہیں کہ اسلام زندگی کے تمام دکھوں کا مداوا کرنے والا ہے۔ کسی مسلمان کو حضور پیغمبر اسلام کے دامنِ رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جس میں ہر بھوکے کے لیے روٹی، ہر ننگے کیلیے کپڑا اور ہر بے گھر کے لیے مکان کی ضمانت موجود ہے۔ اسلام عزت و شرافت کا معیار موٹروں اور بنگلوں کی بجائے کردار کی بلندی کو قرار دیتا ہے۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے پھر کہا کہ ہم سوشلزم اور کمیونزم کے بارے میں تحریراً و تقریراً بیزاری ظاہر کرتے رہتے ہیں، لیکن اس کا کیا علاج کہ امریکہ کے وظیفہ خوار ہم پر یہ الزام لگا کر اپنے چچا سام کو خوش کرتے رہتے ہیں۔ لہذا اب میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر سرمایہ داروں کے پیسوں میں کھیلنے والا مولوی مجھے سوشلسٹ کہے گا تو میں اس کو یہودی کہوں گا۔ کیونکہ ایسا پروپیگنڈا صرف امریکہ اور اس کی ناجائز اولاد یہود کے لیے ہی فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ بیشتر اس کے گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھتا، مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے کہا کہ اسلامی سوشلزم یا سوشلزم کی اصطلاح نہ ہم نے کبھی استعمال کی ہے اور نہ استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، نہ ہی ہم ایسی

مستعار اور غیر ملکی اصطلاحات کے محتاج ہیں

مادرِ ملّت کی مخالفت کیوں کی گئی ؟

مولانا آپ نے گذشتہ صدارتی انتخابات میں ایوب خان کے مقابلے میں مادر ملت کی مخالفت کیوں کی تھی ؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ جمعیۃ علماء اسلام کا جماعتی فیصلہ تھا کہ مادر ملت عورت ہونے کی بنا پر صدارت کے قابل نہیں اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی جماعتی فیصلہ تھا کہ ایوب خان قرآن کے احکام کی تشکیک کے باعث ووٹ کے قابل نہیں رہا۔ اس لیے جمعیۃ نے اپنا تیسرا امیدوار کھڑا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں ہماری نگاہ انتخاب مشرقی پاکستان کے کسی امیدوار پر تھی۔ لیکن جب جمعیت علماء اسلام اپنے اس فیصلے کی روشنی میں مقررہ وقت کے اندر اپنے کسی امیدوار کے کاغذات نامزدگی داخل نہ کرسکی تو تنظیم نے فیصلہ کیا کہ ووٹ دونوں میں سے کسی امیدوار کو نہیں دیے جائیں گے۔ اب اس فیصلہ کی صداقت پر بھی شک کیا جائے تو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

انتخابات اور افسر شاہی

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی سے سوال کیا گیا کہ کیا انتخابات وقت پر ہوں گے؟
آپ نے فرمایا کہ جہاں تک میرا خیال ہے انتخابات وقت پر ہوں گے اور حکومت بھی یہ یقین دلا رہی ہے۔ لیکن اس غیر جانبدارانہ اعلان کو حکومت کے سول افسروں نے بدنام کر ڈالا ہے۔ ابھی آج ہی مجھے خیر پور کے ڈی سی کا نوٹس ملا ہے کہ دو ماہ کے لیے تمہارا داخلہ میرے ضلع میں ممنوع ہے۔ چند دن پہلے میری اور حضرت مفتی صاحب کی تقریریوں پر ساہی وال میں پابندی لگا دی گئی جس کو ہائی کورٹ نے منسوخ کر دیا۔ قصبہ ڈھر کی ضلع سکھر میں ہمارے جلسہ کی منادی

کرنے والے کو وہاں کے بدمعاش پیر (بستہ ب) کے غنڈوں نے زدوکوب کیا اور پھر رات کو ۱۲ بجے ہمارے جلسے پر حملہ بھی کیا۔ حکومت نے سترہ حملہ آوروں کو گرفتار کیا۔ لیکن ساتھ ہی ڈویژنل مبلغ مولانا عزیز اللہ صاحب بھی گرفتار کر لیے گئے۔ دوسرے لوگوں کی ضمانتیں ہوگئیں لیکن مولانا ابھی تک پابند سلاسل ہیں۔ ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا جا رہا ہے۔ ہمارے ایک عالم دین مولانا لقمان ضلع مظفر گڑھ سے جمعیت کے ٹکٹ پر انتخاب لڑ رہے ہیں۔ انھیں بھی تقریر کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اسی طرح ہماری جماعت کے مولانا عبدالمجید ندیم ڈیرہ غازی خاں والے جیل میں بند ہیں۔ علاوہ ازیں جمعیت علماء اسلام کے بہت سے بزرگ اور علماء دین کو حکومت نے ماتحت افسروں کے اشارہ پر جیلوں میں بند کر رکھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان ماتحت افسروں نے حکومت کی غیر جانبداری کی مٹی پلید کر دی ہے اور ہمیں ان واقعات میں سیاسی پارٹیوں اور غیر ملکی ایجنٹوں کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ خیرپور کے ڈی سی نے جمعیۃ کے ۲۹ مئی کے جلوس کو بھی یہ کہہ کر نکالنے کی اجازت نہ دی کہ اس تاریخ کو یوم شوکت اسلام کا جلوس ہے حالانکہ یوم شوکت اسلام کا جلوس ۳۱ مئی کو نکلنا تھا۔ دیکھیے ہماری مخالفت کے شوق میں افسران یہاں تک غلط بیانیوں سے کام لے رہے ہیں۔ میں صدر یحییٰ خاں سے درخواست کرتا ہوں کہ ان کے سوا اور بھی سینکڑوں غلط کار افسران موجود ہیں جو انتخابات میں حکومت کے غیر جانبدارانہ رویہ کی قطعاً خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اس طرف بھی توجہ دینے کی ازبس ضرورت ہے۔

حملہ آور غنڈے کون تھے؟

(مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کی عمر ۷۵ سال یعنی پون صدی کے برابر ہے۔ کھدر کا سادہ لباس پہنتے ہیں۔ آپ پر ۲۲ رمئی ۱۹۷۰ء کو قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ جس کی خبریں اخبارات میں بھی شائع ہوئیں۔ استفسار پر مولانا ہزاروی نے قاتلانہ حملے کا پس منظر و پیش منظر بیان کرنے کی زحمت فرمائی۔ اس روز بھی ان کے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور بازو پر کہیں کہیں نشانات تھے۔)

مولانا نے قاتلانہ حملہ کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ راولپنڈی میں جمعہ پڑھا کر جب میں مانسہرہ جانے کے لیے بسوں کے اڈہ تک پہنچا تو میرے ہمراہ بہت سے دوست تھے۔ ان میں ٹیکسلا والے مولانا مسعود الرحمٰن بھی تھے جو اکثر پنڈی آکر جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ کیا آپ بھی اس بس میں میرے ساتھ ٹیکسلا تک جائیں گے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں کسی پچھلی بس سے جاؤں گا۔ لیکن بس چلنے سے کچھ دیر ہی پہلے وہ اسی بس میں سوار ہو گئے۔ میں نے وجہ پوچھی تو انھوں نے سرگوشی کے انداز میں کہا کہ وہ (اشارہ کرتے ہوئے) ایک آدمی ان تین آدمیوں کو بس میں سوار کر کے چلا گیا ہے اور اس نے آپ کی پہچان بھی کرائی ہے۔ مجھے یہ تینوں شخص مشتبہ نظر آتے ہیں۔ چنانچہ میں اس بس میں ایبٹ آباد تک آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ راستے میں مولانا مسعود الرحمٰن نے ان آدمیوں کے پاس پستول بھی دیکھ لیے اور ان آدمیوں کی حرکات و سکنات

سے ہمارا شبہ یقین میں بدل گیا لیکن ہماری سمجھ میں دفاع اور بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی حویلیاں کے قریب پہونچنے سے پہلے اللہ کریم نے دل میں یہ خیال ڈال دیا کہ اندھیرا ہونے کو ہے بہتر ہے سفر بند کر دیا جائے۔ چنانچہ جب بس کھڑی ہوئی تو مولانا مسعود الرحمٰن نے میرا سوٹ کیس اٹھایا اور ہم ابھی اترنے ہی لگے تھے کہ "وہ تینوں غنڈے بے قابو ہو گئے" اپنا شکار ہاتھ سے جاتا دیکھ کر بے سوچے سمجھے مجھ پر حملہ کر دیا۔ اسی اثنا میں ان میں سے ایک غنڈے نے نیفے سے کوئی چیز نکالی۔ پھر میں نے فوراً ہی فائر کی آواز سنی۔ میں نے اپنے مدِّمقابل غنڈے کے ہاتھ مضبوطی سے تھامے رکھے۔ باقی دو غنڈوں کو مسعود الرحمٰن صاحب نے مجھ تک پہنچنے کا موقع ہی نہ دیا۔ اس کش مکش میں میرے اس محسن کا ہاتھ بھی زخمی ہوا اور ان کے ہاتھ سے بہنے والے خون سے میرے کپڑے بھی لت پت ہو گئے۔ غنڈے سمجھے کام ہو گیا چنانچہ ایک نے فخریہ انداز میں میرا نام لے کر کہا کہ مولوی کو گولی لگ گئی ہے۔ میرا نام سننا ہی تھا کہ لوگ دوڑے ہوئے آئے۔ ایک غنڈہ تو دوڑ چکا تھا باقی دو کو پکڑ لیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایبٹ آباد سے اے ایس پی اور پولیس کی مسلح گاڑیاں آپہنچیں اور مقدمہ درج کر لیا گیا۔ ہم ایبٹ آباد کے سول ہسپتال میں داخل کر دیئے گئے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی نے اس سانحہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ حملہ سوچی سمجھی سکیم کے تحت مجھ پر کرایا گیا۔ اور میں یہ الزام ہی نہیں لگاؤں گا۔ بلکہ صراحتہً یہ کہوں گا کہ مجھ پر قاتلانہ حملہ سے مودودی صاحب اور جماعت اسلامی دونوں ملک بھر میں رسوا ہو چکے ہیں۔

مَیں اسلام کے نام پر مر مٹنے والا شخص ہوں۔ مجھے کسی کا کوئی ڈر نہیں جب تک تقدیر میں موت نہیں لکھی ہوئی مجھ پر لاکھ حملے ہوں۔ میں کلمۂ حق کہتا ہی رہوں گا۔

انٹرویو

(یہ انٹرویو کراچی سے شائع ہونے والے ۲۳ر فروری ۱۹۷۲ء
کے ہفت روزہ "اخبار جہاں" سے لیا گیا ہے۔)

محبوب رہنما

دسمبر ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات کے بعد علماء کی جماعت، جمعیۃ علماء اسلام کو جو سیاسی اہمیت حاصل ہوتی ہے اس سے انکار ممکن نہیں۔ خصوصاً اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا کہ جس نئی پارٹی نے پورے ملک میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ اس کے چیئرمین جمعیۃ کے رہنما مولانا مفتی محمود صاحب سے انتخاب میں ہار گئے ـــــ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے بعد خصوصیت کے ساتھ یہ بات سامنے آئی کہ بلوچستان اور سرحد میں جمعیۃ علماء اسلام ایسی اہم سیاسی طاقت ہے جو قیوم لیگ اور نیشنل عوامی پارٹی کے درمیان پاسنگ کی حیثیت رکھتی ہے۔

عام انتخابات میں اس کامیابی کے لیے مہم جوئی کرنے والی جمعیۃ کی شخصیات میں مولانا مفتی محمود صاحب اور مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کو خاص مقام حاصل ہے۔ انتخابات کے بعد جمعیۃ کے ان ہی دونوں لیڈروں نے سیاسی مذاکرات میں حصہ لیا اور ان ہی کی مساعی کے نتیجہ میں بہت جلد یہ بات سامنے آگئی کہ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں جمعیۃ کے تعاون کے بغیر کامیاب حکومت سازی ممکن نہیں ہوگی ۔ ان

تمام کامیابیوں کے باعث جمعیۃ کے دونوں ممتاز لیڈروں کو قومی سطح پر مزید اہمیت
حاصل ہوئی جو نیپ اور پیپلز پارٹی سے نتیجہ خیز مذاکرات کا سبب بنی۔
پچھلے دنوں جمعیۃ کے یہ دونوں لیڈر کراچی آئے ہوتے تھے۔ اتفاق سے ہمیں رابطہ
قائم کرنے میں دیر ہوگئی۔ چنانچہ مفتی محمود صاحب تو نکل گئے۔ لیکن مولانا غلام غوث
صاحب ہزاروی سے بات چیت کا موقع مل گیا۔ ان سے ہماری یہ ملاقات نیوٹاؤن
کی جامع مسجد کے حجرے میں ہوئی۔ طلباء اور عقیدت مند مولانا کو گھیرے بیٹھے تھے۔
پشتو زبان میں گفتگو ہو رہی تھی۔ ہم نے چند ناموں اور لب ولہجہ سے اندازہ لگایا کہ معاملہ
سیاسی ہے۔ اور اس کی نوعیت نازک سی ہے۔ اس لیے ہمیں نصف گھنٹہ انتظار کرنا
پڑا۔ کیونکہ اتفاق سے ہم بالکل صحیح وقت پر پہونچ گئے تھے۔
مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی سے بات چیت کا یہ سلسلہ رات بارہ بجے
تک جاری رہا۔ اس دوران ان کی طرح سونے والے بھی مستعد تھے۔ ان سے گفتگو
کے بعد جب باہر نکلے تو ہر طرف گہرا سکوت چھایا تھا.........اور صدر دروازہ
بھی بند تھا۔ ایک صاحب دیر تک چوکیدار کی تلاش میں وسیع وعریض مسجد کا چکر
لگاتے رہے۔
ایک اور صاحب نے جو ہماری طرح اندر گرفتار ہوگئے تھے، چوکیدار کو آوزیں
دینی شروع کیں۔ تب ایک صاحب سے وہ مرد قلندر چابیاں چھنکارتا ہوا نمودار
ہوا اور ہمیں رہائی ملی۔

نثار احمد زبیری

بنیادی مسائل کا حل

مولانا سے ہمارا پہلا سوال یہ تھا کہ :

"آپ کے نزدیک اس وقت ملک کے بنیادی مسائل کیا ہیں اور ان کو کس طرح حل کیا جائے گا"

مولانا نے جو جمعیت کے جھنڈے کی طرح سیاہ سفید پٹیوں دار سوئٹر پہنے ہوئے اونی چادر میں لپٹے آرام سے بیٹھے تھے۔ ہمارا سوال بڑے غور سے سنا مزید سنا اور پھر سلسلہ کلام کا آغاز کیا۔ مسائل کی نشاندہی کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس وقت تین مسئلے سب سے زیادہ اہم ہیں -

○ پہلا یہ کہ ملک کو بیرونی خطرات سے اطمینان بخش طور پر کس طرح محفوظ کیا جائے؟

○ دوسرا یہ کہ بھارت اور مشرقی پاکستان سے مستقل تعلقات کے بارے میں کیا قدم اٹھایا جائے ؟

○ تیسرا یہ کہ ملک کی اندرونی خرابیاں کیونکر دور کی جائیں ؟

میرا خیال یہ ہے کہ اگر ان مسائل کو حل کر لیا جائے تو ہمارے حالات بہتر ہو سکتے ہیں۔ معاملہ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا "بیرونی خطرے سے حفاظت کے ضمن میں سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ ہم قبل از وقت بلند بانگ دعوے کرنا اور ڈینگیں مارنا چھوڑ دیں۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ بھارت ہمارے بعض لیڈروں کے غیر ذمہ دارانہ بیانات سے رہنمائی حاصل کر کے ہمارے خلاف مؤثر اقدامات کرتا ہے — اور کامیابی حاصل کرتا ہے۔ مثلاً گذشتہ جنگ سے ذرا پہلے ہمارے ہاں سے یہ کہا گیا کہ کشمیر میں ایک لاکھ مجاہد لڑنے کے لیے تیار ہیں۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بھارت نے اس علاقے میں دو ڈویژن فوج کا اضافہ کر دیا۔ تو اس لیے :

○ پہلی بات یہ ہے کہ چوبیس سال کی یہ ڈینگیں مارنے کی بیماری ہمیشہ کے لیے ترک کر دی جائے۔

○ دوسری بات یہ ہے کہ ملک کا دفاعی نظام ملک کے منتخب نمائندوں کے مشورے سے بہتر اصولوں پر قائم کیا جائے۔

ان نمائندوں کو اعتماد میں لینے کا مطلب پوری قوم کو اعتماد میں لینا ہوگا اور جب تک پوری قوم کو اعتماد میں لے کر دفاعی تیاریاں نہیں کی جائیں گی اس وقت تک اس سمت میں کی جانے والی کوششوں کو محلاتی سازشوں سے تعبیر کیا جائے گا۔

مولانا نے ایک لمحہ کے توقف کے بعد فرمایا: دوسرا مسئلہ بھارت اور مشرقی پاکستان سے مستقل تعلقات کا ہے۔ اس سلسلہ میں محترم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے متفقہ لیڈروں سے ملاقات کی کوشش ظاہر کی ہے۔ خیال بُرا نہیں ہے۔ بات چیت مفید ہو سکتی ہے بشرطیکہ ملاقات برائے ملاقات نہ ہو، با مقصد ہو، مفادات کے پیش نظر تخریب نہ ہو، بلکہ تعمیر ہو۔ یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ابھی تک ہمارے ملک میں منفی کام ہوتا رہا ہے۔ اب ضرورت یہ ہے کہ مثبت کام کیا جائے۔ میں مسز اندرا گاندھی کی اس بات کو درست سمجھتا ہوں کہ مشرقی پاکستان سے متعلق امور کی بات چیت مشرقی پاکستان کے ہی لیڈروں کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں یہ شرط آڑے نہیں آسکتی کہ پہلے ہم بنگلہ دیش کو تسلیم کریں۔ دنیا جانتی ہے کہ امریکہ نے چین کو تسلیم نہیں کیا۔ اس کے باوجود اسے جمہوریت نواز ملک سمجھا جاتا ہے۔ ہم خود اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن اسرائیل کو تسلیم کرنے والے ملک ایران سے گہرے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات رکھتے ہیں۔

تیسرا مسئلہ ملک کی اندرونی خرابیاں دُور کرنے کا ہے" ہم دیکھتے ہیں کہ:

○ ہمارے ملک میں رشوت ستانی عام ہے۔

○ شراب نہ پینا عیب ہے۔

○ بے حیائی کے خلاف بات کرنا معیوب ہے۔

- ننگے ناچ اور جنسی تعلقات پر فخر کیا جاتا ہے۔
- شراب کو ماں کا دودھ سمجھ کر پیا جاتا ہے ۔ ایک لاکھ گیلن سالانہ خرچ ہے۔
- دینی امور کے ساتھ بھیانک مذاق کیا جارہا ہے۔

اور اس کے ساتھ ہی ہمارے ملک میں یہ بات بالکل فراموش کر دی گئی ہے کہ اخلاقی برائیوں میں ملوث ہونے والی کوئی قوم بامِ عروج تک نہیں پہنچ سکتی۔

میں ان ہی حالات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے تو کہتا ہوں کہ ہمارے موجودہ مصائب کا اصل سبب نہ فوجی شکست ہے ، نہ جہاد کے جذبے کی کمی اور نہ ہی قلت وکثرت کا مسئلہ اصل چیز یہ ہے کہ ہم ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے والی چیزوں کی حوصلہ افزائی کرنے میں لگے ہوئے ہیں

اب سوال یہ ہے کہ اس درجہ خراب حالات کی اصلاح کیسے ہو؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں

- سرکاری اور غیر سرکاری ذرائع کا ساتھ ساتھ استعمال ہونا ضروری ہے
- تمام تبلیغی ذرائع کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے
- قوم کے منتخب نمائندوں کے ذریعہ مؤثر انسدادی قوانین بنوائے جائیں اور ان کا سختی سے نفاذ ہو
- کیونکہ جتنی زیادہ سختی کی جائے گی اتنی ہی زیادہ کامیابی نصیب ہوگی۔

ایک اور بات جو خاص طور پر ذہن نشین کرلینی چاہیے۔

- "کہ ملک سے تمام جاسوسوں کو نکال باہر کیا جائے کیونکہ جب تک ہم اپنے رازوں کو راز نہ رکھ سکیں گے تب تک کامیابی اور ترقی ممکن نہیں "

جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے بھارت نے حالیہ جنگ میں اپنا تیار کردہ اسّی فی صد سامان جنگ استعمال کیا ہے ۔ دوسری طرف وہ ایٹم بم کی تیاری میں مصروف

تمام کامیابیوں کے باعث جمعیۃ کے دونوں ممتاز لیڈروں کو قومی سطح پر مزید اہمیت حاصل ہوئی جو نیپ اور پیپلزپارٹی سے نتیجہ خیز مذاکرات کا سبب بنی۔

پچھلے دنوں جمعیۃ کے یہ دونوں لیڈر کراچی آئے ہوتے تھے۔ اتفاق سے ہمیں رابطہ قائم کرنے میں دیر ہوگئی۔ چنانچہ مفتی محمود صاحب تو نکل گئے۔ لیکن مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی سے بات چیت کا موقع مل گیا۔ ان سے ہماری یہ ملاقات نیوٹاؤن کی جامع مسجد کے حجرے میں ہوئی۔ طلباء اور عقیدت مند مولانا کو گھیرے بیٹھے تھے۔ پشتو زبان میں گفتگو ہو رہی تھی۔ ہم نے چند ناموں اور لب ولہجہ سے اندازہ لگایا کہ معاملہ سیاسی ہے۔ اور اس کی نوعیت نازک سی ہے۔ اس لیے ہمیں نصف گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ کیونکہ اتفاق سے ہم بالکل صحیح وقت پر پہونچ گئے تھے۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی سے بات چیت کا یہ سلسلہ رات بارہ بجے تک جاری رہا۔ اس دوران ان کی طرح سونے والے بھی مستعد تھے۔ ان سے گفتگو کے بعد جب باہر نکلے تو ہر طرف گہرا سکوت چھایا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور صدر دروازہ بھی بند تھا۔ ایک صاحب دیر تک چوکیدار کی تلاش میں وسیع وعریض مسجد کا چکر لگاتے رہے۔

ایک اور صاحب نے جو ہماری طرح اندر گرفتار ہوگئے تھے، چوکیدار کو آوازیں دینی شروع کیں۔ تب ایک صاحب سے وہ مرد قلندر چابیاں چھنکارتا ہوا نمودار ہوا اور ہمیں رہائی ملی۔

نثار احمد زبیری

بنیادی مسائل کا حل

مولانا سے ہمارا پہلا سوال یہ تھا کہ :

"آپ کے نزدیک اس وقت ملک کے بنیادی مسائل کیا ہیں اور ان کو کس طرح حل کیا جائے گا"

مولانا نے جو جمعیت کے جھنڈے کی طرح سیاہ سفید پٹیوں دار سوئٹر پہنے ہوئے اُونی چادر میں لپٹے آرام سے بیٹھے تھے۔ ہمارا سوال بڑے غور سے سنا مزید سنا اور پھر سلسلہ کلام کا آغاز کیا۔ مسائل کی نشاندہی کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس وقت تین مسئلے سب سے زیادہ اہم ہیں۔

- پہلا یہ کہ ملک کو بیرونی خطرات سے اطمینان بخش طور پر کس طرح محفوظ کیا جائے؟
- دوسرا یہ کہ بھارت اور مشرقی پاکستان سے مستقل تعلقات کے بارے میں کیا قدم اٹھایا جائے ؟
- تیسرا یہ کہ ملک کی اندرونی خرابیاں کیونکر دُور کی جائیں ؟

میرا خیال یہ ہے کہ اگر ان مسائل کو حل کر لیا جائے تو ہمارے حالات بہتر ہو سکتے ہیں۔ معاملہ کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا" بیرونی خطرے سے حفاظت کے ضمن میں سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ ہم قبل از وقت بلند بانگ دعوے کرنا اور ڈینگیں مارنا چھوڑ دیں۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ بھارت ہمارے بعض لیڈروں کے غیر ذمہ دارانہ بیانات سے رہنمائی حاصل کر کے ہمارے خلاف مؤثر اقدامات کرتا ہے — اور کامیابی حاصل کرتا ہے۔ مثلاً گذشتہ جنگ سے ذرا پہلے ہمارے ہاں سے یہ کہا گیا کہ کشمیر میں ایک لاکھ مجاہد لڑنے کے لیے تیار ہیں۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بھارت نے اس علاقے میں دو ڈویژن فوج کا اضافہ کر دیا۔ تو اس لیے :

- پہلی بات یہ ہے کہ چوبیس سال کی یہ ڈینگیں مارنے کی بیماری ہمیشہ کے لیے ترک کر دی جائے۔

○ دوسری بات یہ ہے کہ ملک کا دفاعی نظام ملک کے منتخب نمائندوں کے مشورے سے بہتر اصولوں پر قائم کیا جائے۔

ان نمائندوں کو اعتماد میں لینے کا مطلب پوری قوم کو اعتماد میں لینا ہوگا اور جب تک پوری قوم کو اعتماد میں لے کر دفاعی تیاریاں نہیں کی جائیں گی اس وقت تک اس سمت میں کی جانے والی کوششوں کو محلاتی سازشوں سے تعبیر کیا جائے گا۔

مولانا نے ایک لمحہ کے توقف کے بعد فرمایا : دوسرا مسئلہ بھارت اور مشرقی پاکستان سے مستقل تعلقات کا ہے۔ اس سلسلہ میں محترم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے متفقہ لیڈروں سے ملاقات کی کوشش ظاہر کی ہے۔ خیال بُرا نہیں ہے۔ بات چیت مفید ہو سکتی ہے بشرطیکہ ملاقات برائے ملاقات نہ ہو، با مقصد ہو، مفادات کے پیشِ نظر تخریب نہ ہو، بلکہ تعمیر ہو۔ یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ابھی تک ہمارے ملک میں منفی کام ہوتا رہا ہے۔ اب ضرورت یہ ہے کہ مثبت کام کیا جائے۔ میں مسز اندرا گاندھی کی اس بات کو درست سمجھتا ہوں کہ مشرقی پاکستان سے متعلق امور کی بات چیت مشرقی پاکستان کے ہی لیڈروں کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں یہ شرط آڑے نہیں آسکتی کہ پہلے ہم بنگلہ دیش کو تسلیم کریں۔ دنیا جانتی ہے کہ امریکہ نے چین کو تسلیم نہیں کیا۔ اس کے باوجود اسے جمہوریت نواز ملک سمجھا جاتا ہے۔ ہم خود اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن اسرائیل کو تسلیم کرنے والے ملک ایران سے گہرے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات رکھتے ہیں۔

تیسرا مسئلہ ملک کی اندرونی خرابیاں دُور کرنے کا ہے" ہم دیکھتے ہیں کہ :

○ ہمارے ملک میں رشوت ستانی عام ہے۔

○ شراب نہ پینا عیب ہے۔

○ بے حیائی کے خلاف بات کرنا معیوب ہے۔

- ننگے ناچ اور جنسی تعلقات پر فخر کیا جاتا ہے۔
- شراب کو ماں کا دودھ سمجھ کر پیا جاتا ہے ۔ ایک لاکھ گیلن سالانہ خرچ ہے۔
- دینی امور کے ساتھ بھیانک مذاق کیا جارہا ہے۔

اور اس کے ساتھ ہی ہمارے ملک میں یہ بات بالکل فراموش کردی گئی ہے کہ اخلاقی برائیوں میں ملوث ہونے والی کوئی قوم بامِ عروج تک نہیں پہنچ سکتی۔

میں ان ہی حالات کو مدِّنظر رکھتے ہوئے تو کہتا ہوں کہ ہمارے موجودہ مصائب کا اصل سبب نہ فوجی شکست ہے، نہ جہاد کے جذبے کی کمی اور نہ ہی قلت و کثرت کا مسئلہ اصل چیز یہ ہے کہ ہم ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے والی چیزوں کی حوصلہ افزائی کرنے میں لگے ہوئے ہیں

اب سوال یہ ہے کہ اس درجہ خراب حالات کی اصلاح کیسے ہو؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں

- سرکاری اور غیر سرکاری ذرائع کا ساتھ ساتھ استعمال ہونا ضروری ہے
- تمام تبلیغی ذرائع کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے
- قوم کے منتخب نمائندوں کے ذریعہ مؤثر انسدادی قوانین بنوائے جائیں اور ان کا سختی سے نفاذ ہو
- کیونکہ جتنی زیادہ سختی کی جائے گی اتنی ہی زیادہ کامیابی نصیب ہوگی۔

ایک اور بات جو خاص طور پر ذہن نشین کرلینی چاہیے۔

- "کہ ملک سے تمام جاسوسوں کو نکال باہر کیا جائے کیونکہ جب تک ہم اپنے رازوں کو راز نہ رکھ سکیں گے تب تک کامیابی اور ترقی ممکن نہیں"

جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے بھارت نے حالیہ جنگ میں اپنا تیار کردہ اسّی فی صد سامان جنگ استعمال کیا ہے۔ دوسری طرف وہ ایٹم بم کی تیاری میں مصروف

ہے۔ اور ضرورت کے وقت تجربہ کر سکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہمارا ملک غیر ممالک پر بھروسہ کرتا ہے۔ اس نے کسی کو اپنا ابّا بنایا ہے تو کسی کو چچا ـــــ حالانکہ ان سب نے مل کر پاکستان کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کی کوشش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وہ اس میں پوری طرح کامیاب نہ ہوئے۔

ہم سے بہت سے لوگ پوچھتے ہیں کہ اب اس ملک کا کیا ہوگا؟ آپ خود بھی انٹرویو میں یہی معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آخر کار یہاں ہونا کیا ہے۔؟

مَیں کہتا ہوں کہ پانچ کروڑ کی آبادی کا ملک چھوٹا ملک نہیں ہوتا۔ اگر سوئٹزرلینڈ افغانستان، لبنان اور ترکی ایسے ممالک اطمینان سے رہ سکتے ہیں اور ترقی کر سکتے ہیں تو ہمارے لیے کیا مشکل ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ برائیوں سے علیحدہ ہو کر خداداد ذرائع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ہم نے افغانستان کی طرح ہر آٹھویں آدمی کے لیے لازمی فوجی تربیت پر توجہ نہیں دی۔ تاریخ کی واضح مثال ہے کہ تھوڑے سے عربوں نے تقریباً سو سال تک بلا شرکت غیرے ایک طرف ملتان، دوسری طرف مراکش اور تیسری طرف بخارا تک کو فتح کیا ہے۔ ان کی کامیابی کا اصل سبب کیا تھا۔ یہی کہ انہوں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کی اخلاقی، معاشرتی، اعتقادی، روحانی اور جسمانی تعلیمات کو جزوِ جاں بنا لیا تھا۔ اور ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ خلق خدا کی خدمت ہو اور اسلام کا پرچم سرفراز ہو۔ ناممکن ہے کہ ہم ان تعلیمات کو رہنما بنائیں اور کامیاب نہ ہو سکیں۔ مسلمانوں کے لیے تعداد کا مسئلہ کبھی رکاوٹ نہیں بنا، اور ملتِ اسلامیہ نے تو چند کھجوروں پر گذارہ کر کے بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کی تھیں اس لیے ہمیں اب بھی وُہی لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ کیا ہم نے ۲۴ سال تک یورپ کی تقلید کر کے دیکھ نہیں لیا کہ مغربی تہذیب کے گندے انڈوں نے ہمیں ان حالوں تک پہنچا دیا ہے۔ اب ہمیں اپنی حالتِ زار سے اور سبق سیکھنا چاہیے۔

بھٹو کے اقدام پر تبصرہ

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی سے ہمارا دوسرا سوال صدر ذوالفقار علی بھٹو کے اہم اقدامات پر تبصرے سے متعلق تھا۔ سب سے پہلے گورنروں، وزیروں اور مشیروں کے تقرر پر بات چیت شروع ہوئی۔

مولانا نے فرمایا: "گورنروں کا تقرر عموماً مرکز کرتا ہے۔ اس لیے بھٹو صاحب کو اختیار تھا کہ وہ گورنروں کا تقرر کرتے۔ لیکن جمہوریت کی روشنی میں جس طرح انھوں نے سندھ اور پنجاب میں اکثریتی پارٹی کے گورنر مقرر کیے ہیں۔ اسی جمہوری پیمانے پر انہیں سرحد اور بلوچستان میں اکثریتی پارٹی کے حقوق کا خیال کرنا چاہیے تھا۔ کم از کم مشورہ ضرور کرنا چاہیے تھا۔ لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا ——— ہم نے راولپنڈی کے مذاکرات میں بھی یہ بات ان پر اچھی طرح واضح کر دی تھی کہ اگر ہم سے مشورہ کیا جاتا تو ہو سکتا تھا کہ ہم جناب حیات محمد خاں شیرپاؤ کے نام پر ہی متفق ہو جاتے۔ لیکن بلوچستان کے حالات مختلف ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہاں کی رائے عامہ موجودہ انتظام سے کبھی مطمئن نہیں ہو گی۔

دوسری چیز یہ ہے کہ حکومت نے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے اجلاس بلانے کا وعدہ کیا ہے۔ اگر یہ کام جلد ہو جاتا تو گورنروں کے اختیارات کم ہو جاتے اور وہ اسمبلیوں کے سامنے جواب دہ ہوتے۔ لیکن حکومت جمہوریت کے بلند بانگ دعاوی کے ساتھ مارشل لاء برقرار رکھ رہی ہے۔ ابتداء میں ہم نے بھی حکومت کو مارشل لاء اٹھانے سے معذور سمجھا تھا۔ کیونکہ مشرقی پاکستان کی تصفیہ طلب باتیں پریشان کن تھیں۔ لیکن اب کم از کم میرا یہ مؤقف نہیں ہے۔ اگر ہم نے بنگلہ دیش کو کبھی تسلیم نہ کیا تو کیا ہمارے ہاں ہمیشہ مارشل لاء قائم رہے گا اور قومی اسمبلی کا اجلاس نہیں ہو گا۔؟

بہر حال ہمیں اپنے ملک میں جمہوری نظام ضرور قائم کرنا ہے۔ کیونکہ جمہوریت کی بحالی اور قومی اسمبلی کا اجلاس مشرقی پاکستان کے معاملہ میں مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ رکاوٹ ہرگز نہیں بن سکتا۔ ویسے بھی اب مشرقی پاکستان کا معاملہ کافی حد تک صاف ہو چکا ہے۔ اگر ہم اب بھی یہ خیال رکھیں کہ حسب سابق وہ پاکستان کا جزو بنا رہے گا تو لوگ ہمیں پاگل خانے کا راستہ دکھانے میں دشمن کے ہاں سچے سمجھے جائیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اسرائیل کی طرح اس کو کبھی تسلیم نہ کریں اور جائز حقوق کے لیے جدوجہد کرتے رہیں۔ لیکن یہ بات قطعی طور پر غیر معقول ہے کہ جب تک مشرقی پاکستان کا مسئلہ حل نہ ہو ہم جمہوریت سے محروم رہیں۔

دولت مشترکہ

صدر ذوالفقار علی بھٹو کا دوسرا اہم قدم دولت مشترکہ سے علیحدگی کا ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا ہزاروی نے فرمایا: ہماری پارٹی ابتدا ہی سے اس سلسلہ میں آواز اٹھا رہی تھی کہ دولت مشترکہ انگریز کی خطرناک چالوں میں سے ایک چال ہے۔ سابقہ حکومتوں نے اس چال کو نہیں سمجھا اور انگریز سے مرعوب ہونے کی بنا پر ہمارے دولت مشترکہ سے علیحدگی اختیار کرنے کے مطالبہ کو کوئی حیثیت نہ دی۔ کیا پھر دیکھ نہ لیا کہ انگریز نے گذشتہ جنگ میں ہمارے مخالفوں کا ساتھ دیا۔ اس لیے اچھا ہوا کہ یہ ڈھونگ ختم ہو گیا۔ تاہم بعض غیر ملکی طاقتیں سابق تعلقات کو بحال رکھنے پر زور دے رہی ہیں۔ اب ہمیں اس سلسلے میں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

ملیجنگ ایجنسیز سرکاری تحویل میں

صدر بھٹو کے ایک اور اہم اقدام پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی

نے فرمایا :

"بڑی صنعتوں کو قومیانے اور تحدید ملکیت آراضی کا وعدہ تو سوشلزم کے خلاف آواز اٹھانے والی اور امریکہ کو خوش کرنے والی "جماعت" نے بھی تحریراً کیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ پھر ان ہی لوگوں نے جو پاکستان کو سوشلسٹوں کا قبرستان بنانے کی باتیں کرتے تھے اور سوشلسٹوں پر فتوے لگاتے تھے۔ سب سے پہلے بھٹو صاحب کو تعاون کا یقین دلایا۔"

بہرحال اس سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ کارخانوں کا نظم و نسق چھین کر نوکر شاہی کے حوالے کرنے سے حکومت کو بدنامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر ان صنعتوں کا انتظام کسی دیانتدار کمیٹی کے سپرد کیا جاتا اور کچھ حصص مزدوروں کو دیے جاتے تو یہ اقدامات بڑی حد تک مفید ثابت ہو سکتے تھے۔

سفارتی تعلقات کا انقطاع

بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے والے ممالک کے خلاف اظہارِ ناراضگی کے لیے سفارتی تعلقات توڑ لینے کے اقدام پر تبصرہ کرتے ہوئے جمعیۃ علماء اسلام کے رہنما نے فرمایا :

اس سلسلے میں جذبات سے کام نہیں لینا چاہیے۔ بلکہ فی الحال ہمیں یہ پالیسی اختیار کرنی چاہیے کہ نہ تو ہم بنگلہ دیش کو تسلیم کریں اور نہ اسے تسلیم کرنے والوں سے تعلقات ختم کریں۔ مثلاً ہم نے اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کے باوجود ایسے ممالک سے تعلقات قائم کر رکھے ہیں جو اسرائیل کو مانتے ہیں اور اسے بڑا درجہ دیتے ہیں۔ ہمارا فرض یہ ہونا چاہیے کہ ہم بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے والے ممالک کو سیاسی طور پر متاثر کریں اور انہیں بتائیں کہ وہ بھارت کا حصہ نہیں ہے۔ بلکہ پاکستان بنانے والا موثر حصہ ہے اور اگر ان سے ہمارے برادرانہ تعلقات میں خرابی آئی ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ ان کی جائز شکایات رفع نہ کی جا سکیں

اب ہماری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہم ان سے جس قدر مفید تعلقات رکھ سکتے ہوں —— ضرور رکھیں

ہمیں جناب صدر کی اس بات سے اتفاق ہے کہ ملک کی تمام ذمہ داریاں منتخب نمائندوں پر عائد ہونی چاہئیں۔ اس لیے یہ معاملہ بھی ان ہی کے سپرد کیا جانا چاہیے

جنگی اور سِول قیدی

جنگی قیدیوں کو واپس لانے اور شہری آبادی کو قتل عام سے بچانے سے متعلق صدر بھٹو نے اب تک جو کچھ کیا ہے۔ اس پر بھی مولانا ہزاروی سے تبصرہ کی درخواست کی گئی۔ انھوں نے اس سلسلے میں جلد بازی کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے کہا۔

حکومتوں کے مسائل بہت بڑے اور پیچیدہ ہوتے ہیں۔ وہ ہتھیلی پر سرسوں نہیں جما سکتیں۔ جنگی قیدیوں کے حالات اور شہریوں کے قتل کی تفصیلات پر ہر پاکستانی کو دلی دکھ ہے۔ لیکن اس معاملے میں جوش کے ساتھ ہوش سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اشتعال میں آکر کوئی ایسا قدم اٹھا بیٹھیں جس سے مشرقی پاکستان کے غیر بنگالی اور بھی زیادہ مشکلات میں گھر جائیں۔

اب ہمیں اس امر کی تحقیق ہو گئی ہے کہ سابق صدر یحییٰ —— شیخ مجیب الرحمٰن کو مار ڈالنا چاہتے تھے۔ لیکن صدر بھٹو اس سازش میں شریک نہیں تھے۔ یہ ایک گہری سازش تھی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ مشرقی پاکستان میں اور زیادہ خون خرابہ ہو۔ تاکہ دشمنانِ اسلام خوش ہوں۔

آج کل ہمارے فوجی بھارت کی قید میں ہیں۔ ان کی سلامتی بھارت کی ذمہ داری ہے۔ اُمید ہے ان کی واپسی کا مسئلہ کسی نہ کسی طرح حل ہو ہی جائے گا۔ اس وقت حالات کا یہ تقاضا ہے کہ اس سلسلے میں ہم حکومت کو کام کرنے کا موقع دیں۔ لیکن اس کے ساتھ

ہی میں حکومت سے درخواست کروں گا کہ ملک کے اندر ایسی اسکیموں پر عمل نہ کرے جن سے ان کی معاون پارٹیوں کے لیے کام کرنا مشکل ہوجائے۔ اگر حکومت قومی وصوبائی اسمبلیوں کا اجلاس بلائے اور مارشل لا ختم کردے تو تمام بدگمانیاں دُور ہوجائیں گی۔

سرحد اور بلوچستان کے سیاسی حالات

ہمارا اگلا سوال صوبہ سرحد اور بلوچستان کے سیاسی حالات اور علیحدگی کے خطرات سے متعلق تھا۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے اس سلسلے میں فرمایا :

"یہ بات غلط ہے کہ آج کل صوبہ سرحد اور بلوچستان میں علیحدگی کے جذبات طاقت ور ہوگئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ جذبہ سندھ میں پایا جاتا ہے۔ سرحد کی صورتِ حال تو یہ ہے کہ یہ صُوبہ پاکستان سے باہر کی کسی حکومت کے زیر اثر رہ ہی نہیں سکتا۔ اور نہ ہی باہر کی کوئی حکومت اس پر فرماں روائی کرسکتی ہے۔ یہی صُورتِ حال بلوچستان کی ہے۔ البتہ جب شہنشاہیت کا ڈھائی ہزار سالہ جشن پاکستان میں بھی سرکاری طَور پر دھوم دھام سے منایا گیا۔ تو یہ خطرہ لاحق ہوگیا تھا کہ شائد باہر کی کوئی طاقت آس لگائے بیٹھی ہے۔ لیکن گذشتہ جنگ کے دوران افغانستان وغیرہ کا جو رویّہ رہا اس سے تمام شکوک وشبہات ختم ہوگئے۔"

انھوں نے فرمایا :

"صوبہ سرحد اور بلوچستان میں علیحدگی کا کوئی جذبہ نہیں ہے۔ صرف مارشل لا اٹھانے اور جمہوریت کی بحالی کا مطالبہ ہے۔ جو صحیح بھی ہے اور جناب صدر کی اپنی جمہوریت پسندی کے مطابق بھی ہے۔ اگر ان دونوں صوبوں کے اس جائز مطالبے کو ملحوظ نہ رکھنے سے خدانخواستہ کوئی نقصان ہوا تو اس کی ذمہ داری جائز مطالبہ کرنے والوں پر نہیں ہوگی۔

مَیں نے شروع ہی میں کہا تھا کہ یہ جذبہ سرحد اور بلوچستان میں نہیں، صوبہ سندھ

میں پایا جاتا ہے اور اس میں پھیلنے کے جراثیم موجود ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہاں کے بعض پنجابی ملازمین اپنی غلط حرکات کے باعث پنجاب کے تین کروڑ شریف مسلمانوں اور سچے پاکستانیوں کو بدنام کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ہمارے ساتھی مولانا اسفندیار صاحب نے پستول کے لائسنس کے لیے درخواست دی۔ تھانیدار نے ان سے بالکل صاف الفاظ میں دوسو روپے بطور رشوت طلب کیے اور روپے نہ ملنے پر درخواست مسترد کر دی۔

اتحاد کے لیے تجاویز

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی سے ہمارا چوتھا سوال یہ تھا کہ مغربی پاکستان میں مہاجر، پنجابی، بلوچی، سندھی اور پٹھان اتحاد انتہائی ضروری ہو گیا ہے۔ آپ کے خیال میں اس اتحاد کے لیے کیا کیا جانا چاہیے؟ جواباً انہوں نے پہلے تو اس امر کی تصدیق کی کہ اس اتحاد کی ضرورت پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ اور اس کے بعد فرمایا:

"تمام قوموں اور تمام صوبوں کے باشندوں میں اسلامی اخوت، اسلامی جذبات اور ملکی سالمیت کے لیے یکساں تڑپ کا ہونا ضروری ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہم اسلامی تعلیمات سے آراستہ ہوں اور دیانت و امانت کو کسی قیمت پر ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ ایک طرف تو قانون صحیح بنے۔ دوسری طرف خدا کا خوف دلوں میں بٹھایا جائے۔ اور افراد کے درمیان صوبائی، لسانی اور طبقاتی عصبیت کو ختم کرنے کے لیے تمام آئینی ذرائع استعمال کیے جائیں۔ اس کے لیے صبر اور قانون سے زیادہ محبّت و اخوّت سے کام کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ پانچ کروڑ مسلمان اگر صحیح راستے پر چلیں تو وہ اپنے سے دس گنا بڑی طاقت کو بھی سرنگوں کر سکتے ہیں۔

اسلامی نظام کے قیام کا مسئلہ

جمیعت علماء اسلام کے رہنما سے ہمارا پانچواں سوال یہ تھا کہ دسمبر ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں واضح شکست اور اس کے بعد کے حالات کے بعد اب ملک میں اسلامی نظام کے قیام کی کس حد تک امید کی جا سکتی ہے ؟

سوال نازک تھا۔ مولانا ہزاروی صاحب نے چند لمحے توقف کے بعد کہنا شروع کیا "حالات اور امیدوں کو ناپنے کا کوئی پیمانہ تو ہو نہیں سکتا۔ حالات اس طرح کے ہیں کہ امید یا ناامیدی کی بات مشکل ہے۔ البتہ صدرِ محترم کے مشیر جناب کوثر نیازی نے شرعی حمایت کا اعلان کر کے بہت کچھ امید دلا دی ہے۔ ان کے علاوہ سندھ کے سینئر مشیر جناب میر رسول بخش تالپور نے (جو حج وفد میں شامل تھے) کافی امید دلائی ہے۔ ہم ان کے اسلامی جذبات سے کافی متاثر ہوئے۔ خود صدر محترم جناب ذوالفقار علی بھٹو سوشلزم کے ساتھ "اسلامی" کا لفظ اس لیے استعمال کرتے ہیں کہ سوشلزم میں کوئی غیر اسلامی بات ہو تو اس کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ ہمیں ایک سوتیرہ کی طرح قبل از وقت بدگمانیوں کا طومار نہیں باندھنا چاہیے۔ لیکن بالفرض اگر اسمبلی کے اندر یا کابینہ میں کوئی ایسا معاملہ آیا جو اسلامی نقطۂ نظر سے درست نہ ہوا تو جمعیۃ علماء اسلام صحیح بات منوانے کے لیے اپنی پوری طاقت صرف کر دے گی۔ انشاء اللہ

تعلیمی پالیسی پر تبصرہ

چھٹا سوال متوقع تعلیمی پالیسی سے متعلق تھا۔ مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی سے دریافت کیا گیا کہ اگر آنے والی تعلیمی پالیسی حقیقت میں لادینی نوعیت کی ہوئی تو آپ لوگوں کا ردِ عمل کیا ہو گا۔

انھوں نے فرمایا :

"اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اس وقت جو نظامِ تعلیم رائج ہے وہ بھی دینی قسم کا نہیں ہے۔ اس نظام میں حالت یہاں تک پہونچی ہوئی ہے کہ اسکولوں اور کالجوں کی کتب میں خلافِ اسلام مواد موجود ہے۔ نظام تعلیم میں یہ بات خصوصی اہمیت رکھتی ہے کہ اگر مختلف علوم کی تفصیلات خالص مذہبی نقطۂ نگاہ سے بیان نہ کی گئی ہوں تو بھی نظام کو لادینی نظام نہیں کہتے۔ البتہ دینی تعلیم کا نظام بھی ضروری خیال کیا جانا چاہیے۔ اگر آنے والی تعلیمی پالیسی میں دین کے خلاف کوئی بات ٹھونسی گئی تو ایسا کرنے والے حکومت کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ وہ عوام کو حکومت کے خلاف ہنگامے کا موقع فراہم کریں گے اور یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہوگی۔ میں یہاں شیعہ بھائیوں کی اس تحریک کا تذکرہ بھی کروں گا جو دینی تعلیم اور بعض دوسری باتوں کے سلسلے میں شروع کی جارہی ہیں۔ ان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ وہ اس طرح کے فرقہ وارانہ مطالبات نہ کریں ورنہ بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہونچ سکتی ہے کہ ملازمتوں وغیرہ میں بھی تناسب آبادی کے مطابق مختلف فرقوں کو نمائندگی دی جائے۔ بہتر یہ ہے کہ اب تک جس طرح مل جُل کر کام ہوتا رہا ہے اسی طرح ہوتا رہے۔ کیونکہ قوم نے سوائے مرزائیت کے ان سب کو قبول کیا ہے۔ بعض افسران عصبیت اور خبث باطن کا مظاہرہ کرتے ہیں تو ان کے خلاف احتجاج ہوتا ہے۔ لیکن بحیثیتِ مجموعی قومی مشینری اپنا کام کرتی رہتی ہے۔

شراب کی تباہ کاریاں

مولانا صاحب سے ہمارا ساتواں اور آخری سوال اس انگور کی بیٹی سے متعلق تھا۔ جسے ہمارے خرمن ہستی پر بجلی گروانے کا ذمہ دار قرار دیا جارہا ہے۔

سوال یہ تھا کہ شراب کی تباہ کاریاں سامنے آجانے کے بعد ملک میں شراب نوشی

کے خلاف ایک عام فضا بن گئی ہے ـــــــــ اس موقع پر کیا علماء کرام اس کے خلاف کوئی منظم تحریک چلانے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں ؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے فرمایا :

ہمیں مہم چلاکر کریڈٹ حاصل کرنے کا قطعی شوق نہیں ہے ۔ ویسے بھی دستخطی مہم اور خاموش مظاہروں کی مہم ایک مشہور امریکہ نواز پارٹی کا شاہکار ہے ۔ ہم اس سلسلے میں صدر بھٹو سے یہ کہنا ضروری اور کافی سمجھتے ہیں کہ شراب کے معاملہ میں وہ اندرا اور مجیب سے پیچھے نہ رہیں ۔

میرا قصور معاف کردیا جائے تو میں کالجوں کے ان نونہالان قوم کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ جنھوں نے پشاور اور کراچی وغیرہ میں شراب کے خلاف بے تدبّر جہاد کیا ہے ۔ شراب کے علاوہ اگر کوئی اور مہم چلانا چاہیں تو میری رائے یہ ہے کہ ٹائیاں کھینچنے اور پھاڑنے کا سلسلہ شروع کریں ۔ کیونکہ یہ محض پھانسی کی نقل ہے ۔ ویسے بھی اب سرکاری طور پر بند گلے کے کوٹ کی ہمّت افزائی کی جارہی ہے ۔ کسی وقت ہمیں اقتدار ملا تو ہم زیادہ توجہ سادہ لباس رائج کرنے پر دیں گے ۔"

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کے ان کلمات پر میں نے ایک نظر اپنی ٹائی پر ڈالی اور اس زمانے کے بارے میں سوچا ۔ جب اس سے نجات کی مہم چلائی یا چلوائی جائے گی ۔ ادھر مولانا صاحب لباس کی بات چھوڑکر شراب کے بارے میں سنجیدہ ہوچکے تھے وہ فرمارہے تھے ۔ تاریخ گواہ ہے کہ ملکوں اور سلطنتوں کا سودا وہی سربراہانِ مملکت کرتے ہیں جنھوں نے شراب پی رکھی ہو ۔ جو کسی سحر طراز محبوبہ کی بات ٹال نہ سکتے ہوں ہمیں شبہ ہے کہ پاکستان کے ساتھ بھی شاید نشے کے عالم میں یہ معاملہ کیا گیا ہے ۔ اس لیے شراب کا "نظام" قطعاً بند کرنے کے قابل ہے ۔

جس طرح لیبیا کے پُرجوش صدر کرنل معمر القذافی نے سب سے پہلے اس امّ الخبائث

کو بند کیا۔ اسی طرح ہماری حکومت کو بھی کرنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں ہم نے جناب میر رسول بخش صاحب تالپور سے بھی بات چیت کی ہے۔

بہر حال جمیعتہ علماء اسلام کو کسی صوبہ میں اقتدار ملا تو اس طرح کے اقدام آسان ہو جائیں گے۔

انٹرویو

(یہ انٹرویو ۴ر اکتوبر ۱۹۷۲ء سے لینا شروع کیا اور چار دن کے مسلسل سفر اور جماعتی مصروفیات کی وجہ سے ۸ر اکتوبر ۱۹۷۲ء کو مکمل ہوا۔ یہ اسلامی معاشیات کے اُصول و مبادی پر ایک جامع کتاب کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ زیر مطالعہ کتاب کے لیے ہی لیا گیا تھا۔)

عظیم قائد

اکتوبر کی چار تاریخ تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ ملک کی دوسری بڑی پارٹی جمعیۃ علماء اسلام کے عظیم قائد مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی جمعیۃ کے صدر دفتر میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ پتہ چلا تو میں نے جھٹ پٹ قلم اور ڈائری سنبھالی۔ آفس سے نکلا اور سیدھا چوک رنگ محل کی طرف ہو لیا۔ قدم خود بخود اٹھ رہے تھے۔ پہنچا تو دیکھا کہ مرد قلندر کمرے کی دیوار سے ٹیک لگائے مصروف گفتگو ہے۔ اراکین جمیعۃ اردگرد بیٹھے سادگی و خلوص کی اس بولتی چالتی تصویر، بلا کی بذلہ سنج اور طناز شخصیت کی گلفشانیٔ گفتار سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ محفل زعفران زار بنی ہوئی تھی۔ میں بھی چپکے سے ایک طرف جا بیٹھا اور اس مرنجان و مرنج رہنما کی ہنسی سے جھڑنے والے پھول چنتا رہا۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑی تو پیار و شفقت بھرے لہجے میں فرمایا "شمس وقمر صاحب یہاں آؤ"۔ میں اٹھا، سلام کیا، قریب گیا، ہاتھ ملایا اور مؤدب ہو کر بیٹھ گیا۔ سر پر دستِ شفقت پھیرا اور فرمایا کہ اس مرتبہ انٹرویو کے لیے آپ کو ہمارے ساتھ طویل سفر کرنا پڑے گا۔ میں سر جھکائے اور نگاہیں نیچی کیے ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ اتنا پوچھنے کے بعد مولانا جماعتی احباب سے تنظیمی امور پر تبادلہ خیال کرنے لگے۔ اس دوران میں ان کے حسین چہرے

کی طرف دیکھتا رہا۔ کشادہ پیشانی ان کی مضبوط علمی استعداد کا اظہار کر رہی تھی۔ کتابی چہرہ نورِ ایمان سے دمک رہا تھا اور چمکیلی آنکھیں ایسی بھلی معلوم ہو رہی تھیں جیسے انگشتری میں نگینے۔

دارالعلوم دیوبند کے اس مایہ ناز عالم دین نے مجلس برخاست کی اور تمام لوگوں نے باجماعت نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی ہم نے اڈے کا رخ کیا۔ مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی اس تیز رفتاری سے چل رہے تھے کہ میری جوانی شرما رہی تھی اور میں ان کے ساتھ ایک گام بھی بآسانی نہ چل سکا۔ اڈے پر پہونچے تو گوجرانوالہ کے لیے بس تیار تھی۔ ہم اس میں سوار ہو گئے۔ مختلف مقامات پر جماعتی پروگرام بھگتاتے ہوئے چوتھے دن مانسہرہ پہنچے تو ہمارا انٹرویو بھی مکمل ہو چکا تھا۔

وہ میرے ایک ایک سوال کو بڑے تحمل اور احترام سے سنتے اور کافی وشافی جوابات لکھواتے چلے جاتے۔ برجستگی اور حاضر جوابی کا یہ عالم تھا کہ میں دیکھتا کا دیکھتا رہ جاتا۔ عصری معلومات پر پورا عبور رکھتے ہیں۔ ان کے زبان وکلام میں خیالات کا نکھار پایا جاتا ہے۔ ان کے الفاظ میں افکار کی سچائی رچی بسی ہوتی ہے۔ اسلوب کا بانکپن بھی ہوتا ہے اور مطالب کا عمق بھی۔ ان کی ہر بات دلائل سے مزین بھی ہوتی ہے اور براہین سے آراستہ بھی۔ نصوصِ قطعیہ کا حسن بھی ہوتا ہے اور حوالہ جات کی سج دھج بھی۔ وہ علمی بات کو بھی ایسے اچھے اور آسان پیرائے میں بیان کرتے ہیں کہ معمولی سی سمجھ بوجھ رکھنے والا بھی بخوبی سمجھ جاتا ہے۔ الفاظ کا تسلسل اور عام فہم زبان کا استعمال ان کے اندازِ گفتگو کو اور بھی دل نشیں بنا دیتا ہے۔ ان کے افکار ونظریات قوس وقزح کے رنگوں کی طرح دلکش اور مربوط ہیں۔ طرزِ تکلم ایسا جیسے بہار میں پھول کھلتے ہیں اور قول وفعل میں گہری ہم آہنگی ان کی شخصیت کو دل میں اتار دیتی ہے۔ یہ کوئی افسانہ آرائی نہیں کی بلکہ چار دن کی معیت کے تاثرات سپردِ قلم کر دیے ہیں۔

شمس القمر قاسمی

اسلامی مَعاشیات کے اُصول و مُبادی

میرا پہلا سوال تھا کہ اسلام میں معاشی مسئلہ کی کیا اہمیت ہے؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے برجستہ جواب دیا کہ :

اسلام کی نظر میں معاشی مسئلہ انسان کی زندگی کا مقصد نہیں ہے۔ شریعت کسب حلال کو فریضۃ بعد الفریضۃ یعنی دوسرے درجہ کا فریضہ قرار دیتی ہے۔ اس لحاظ سے دین کے نزدیک انسان کی معاشی ترقی پسندیدہ ہے۔ کیونکہ معاشی وسائل بقاءِ زیست کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔ مادی معاشیات اور اسلامی طرزِ معیشت میں یہی نمایاں فرق ہے کہ وسائلِ معاش لازمی اور ضروری سہی لیکن مقصدِ حیات نہیں بلکہ مقصودِ زندگی کی تحصیل میں راہگزر کا کام دیتے ہیں اور اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

جب تک اسبابِ معیشت منزلِ مقصود تک پہونچنے کا وسیلہ بنے رہیں تو اسلام کی نگاہ میں تجارت، فضل اللہ، اموال، خیر اور التی جعل اللہ لکم قیاما بنے رہتے ہیں۔ اسی طرح خوراک کو الطیبات من الرزق لباس کو زینۃ اللہ اور رہائش کو سکن ایسے

رُوحانی اثرات کے حامل اسمار سے موسُوم کیا جاتا ہے اور اگر منتہائے مقصود کی تکمیل کے لیے ان ہی مراحل میں الجھ کر رہ جائے تو پھر یہی معاشی وسائل متاع الغرور ــ الدنیا ـ عدو ـ اور فتنۃ ـ بن جاتے ہیں ـ

غرض یہ کہ شریعت انسانی زندگی کی بقار کے لیے معیشت کے انتظام و انصرام کو غیر معمولی اہمیّت دیتی ہے لیکن اس کے باوجود اسے مقصد حیات نہیں سمجھتی ـ جیسا کہ رب العالمین کا فرمان ہے :

(جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں روزی کی تلاش کے لیے پھیل جاؤ ـ القرآن)

اس آیت کریمہ سے ظاہر ہے کہ زندگی کے اعلیٰ مقاصد کو معاشی مسئلہ پر فوقیت و برتری حاصل ہے، لیکن معاشی مسئلہ کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے ـ

ایک مرتبہ سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں ایک محتاج صحابیؓ آئے ـ آپ نے انھیں کلہاڑی دی اور حکم دیا کہ جاؤ اور جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بیچو ـ

اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ انسان کی روٹی کا مسئلہ کس قدر ضروری ہے اور اسلامی نظام حیات میں رہبانیت کی نفی معاشی مسئلے کو مدنظر رکھ کر ہی کی گئی ہے ـ

آپ کے سوال کے جواب میں ایک اور بات کہ دوں وہ یہ کہ اسلام کا مشہور قاعدہ اور مسلمہ اصول ہے کہ اگر کوئی فرض یا واجب کسی امر پر موقوف ہو تو وہ امر بھی فرض و واجب ہو جاتا ہے ـ مثلاً نماز فرض ہے تو اس کے ساتھ وضو بھی فرض ہے اور اگر پانی کا کوئی انتظام نہیں تو ڈول کے ذریعے کنوئیں سے پانی نکالنا بھی فرض ہوگا ـ یہی حال اسلامی احکام کی پیروی اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے جہاد کا ہے ـ اگر سامانِ معیشت اور راشن کے بغیر یہ فرض ادا نہیں کیا جا سکتا تو ان کا مہیا کرنا بھی اسی طرح فرض ہو جاتا ہے

بہرحال معیشت اور اسلام کے دوسرے احکام میں چولی دامن کا ساتھ ہے ـ

معاشی مسئلہ کا مقام

مَیں نے فوراً ہی دوسرا سوال کر ڈالا کیا معاشی مسئلہ ہی تمام گناہوں اور جرائم کی جڑ ہے ؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی فرمانے لگے کہ :

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مفلسی کفر تک پہونچا دیتی ہے" اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کافی حد تک جرائم معاشی بدحالی کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔ آج اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ قوم میں جتنی برائیاں پھیلی ہیں ان کا سبب یا تو معیشت کی تنگی ہے یا حاصل شدہ ذرائع معیشت پر قناعت نہ کرنے کا نتیجہ ہے اور کیا آپ نے ۷۰ء کے انتخابات میں دیکھ نہ لیا کہ معاشی بدحالی سے دوچار قوم نے روٹی، کپڑا اور مکان کے نعروں کو ووٹ دیے اور بعض افراد تو دہریت تک جا پہونچے۔ اس لیے اسلام کے نزدیک ذمہ دار افراد یا والی ریاست کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ خاندان یا ملک کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لیے پوری پوری توجہ مبذول کرے۔ کیونکہ موجودہ زمانے میں ہزاروں لوگ محض روٹی کمانے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں۔ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں فریب سے کام لیتے ہیں۔ دھوکہ دیتے ہیں۔ رشوت کھاتے ہیں۔ سود کھاتے ہیں۔ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں۔ ڈاکے ڈالتے ہیں اور چوری کرتے ہیں۔ لوٹ کھسوٹ پر اُن کا گزارہ ہوتا ہے اور جیب تراشی اختیار کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں ان حقائق و واقعات کے پیش نظر ہر انسان کا صحیح طریقے سے معاشی لحاظ سے مطمئن ہونا ضروری ہے۔ اسی لیے تو اس زمانے کو عصرِ معیشت کہا جاتا ہے۔

محنت اور سرمائے کی بحث

تیسرا سوال تھا کیا شریعت محنت کو سرمائے پر ترجیح دیتی ہے ؟ سوال خاصا مشکل تھا۔ لیکن اس کے جواب میں مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی بلا توقف یوں گویا ہوئے۔ حقیقت یہ ہے

کہ محنت اور سرمائے کا سوال صنعتی عروج کے زمانے کا پیدا کردہ ہے اور یہ جنگ مفرط سرمایہ داری اور آزاد طرزِ معیشت کے سبب ہوئی۔ جب سے بڑی بڑی مشینیں ایجاد ہوئیں اور بڑے بڑے کارخانے نصب ہوئے اسی وقت سے تمام پیشوں پر خطرناک اثر پڑا اور پیشہ ور بے کار ہو کر ان ہی کارخانوں میں مزدوری کے لیے مجبور ہو گئے۔ اب ان کی محنت سے مالک کے اور کارخانے بنتے گئے اور اسے کروڑپتی اور ارب پتی بناتے گئے۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر مزدور یہ سوچنے پر مجبور ہوا کہ محنت تو رات دن ہم کرتے ہیں اور کروڑپتی مالک بنتے جاتے ہیں اور یہ بھی سمجھنے لگے کہ یہ کروڑوں روپے جو مالک کو ملتے ہیں۔ ہماری محنت اور مزدوری کی کمائی ہے۔ اس لیے مزدور احساسِ کمتری سے نکل کر اپنی بہبود کے لیے مطالبات کرنے لگے اور یوں دنیا میں محنت اور سرمائے کی جنگ شروع ہوئی۔

کیپٹلزم نے سرمائے کی جو تعریف کی ہے اور اس تعریف کی بنیاد پر ہی اپنی معیشت کو استوار کیا ہے۔ دراصل بنیادی غلطی یہی ہے۔ جہاں سے سوشلزم نے ایک دوسری انتہا اختیار کی اور کہا کہ سرمایہ کوئی شے نہیں۔ محنت ہی سب کچھ ہے۔

لیکن اسلام کیپٹلزم اور سوشلزم کی افراط و تفریط کی ان دونوں راہوں سے ہٹ کر محنت اور سرمائے میں حسین امتزاج پیدا کرتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ سرمائے کی یوں تعریف کرتا ہے کہ وہ پیداوار کے وسائل جن کا عمل پیدائش میں اس وقت تک استعمال نہیں ہو سکتا جب تک ان کو صرف نہ کیا جائے۔ یا ان کی شکل و شباہت میں تبدیلی نہ لائی جائے۔ مثلاً نقد روپیہ یا اشیائے خوردنی وغیرہ اور انسان کی جسمانی اور دماغی کوشش کو محنت کا نام دیا ہے۔

اگر سرمائے اور محنت کی ان شرعی تعریفوں پر معاشی نظام ترتیب دیا جاتا تو کبھی بھی یہ کش مکش پیدا نہ ہوتی۔ اس لحاظ سے محنت اور سرمائے کی دو الگ الگ انتہا پسندانہ راہیں اختیار نہ کی جاتیں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ اگر صرف سرمایہ ہو اور محنت نہ ہو تو سرمایہ ختم ہو سکتا ہے اور اگر سرمایہ نہ ہو تو محنت لگاتار جاری رہتی ہے اور معاشی نظام بحسن و خوبی چلتا رہتا ہے اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ محنت کا مقام اُونچا ہے۔

معاشی تفاوت

اب چوتھا سوال تھا کہ کیا اللہ تعالیٰ خود معاشی طور پر طبقے پیدا کرتا ہے ؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے جواب دیتے ہوئے فرمایا :

مشرق سے مغرب تک نگاہ ڈال لیجیے یا شمال سے جنوب تک دیکھ لیجیے۔ یورپ اور افریقہ میں نکل جایئے یا ایشیا کا مشاہدہ کر لیجیے۔ کیپٹلزم کے علمبردار ممالک کا مطالعہ کر لیجیے یا سوشلسٹ مملکتوں کا دورہ کر دیکھیے۔ اسلامی دُوَل کا جائزہ لے لیجیے یا دنیا کے کسی اور ملک میں چل پھر کر تجربہ کر لیجیے ہر جگہ تمام انسانوں میں قدرتی طور پر جسمانی اور ذہنی و دماغی لحاظ سے صلاحیت کار میں فرق پایا جاتا ہے۔ جس کے لازمی نتیجہ میں معاشی طور پر تفاوت پیدا ہوتا ہے اس کے علاوہ اور بھی عوامل معیشت میں تفاوت پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً طوفان، سیلاب اور بیماری وغیرہ فصلوں کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ جغرافیائی طور پر بھی کہیں وسائل پیداوار زیادہ میسر ہیں کہیں کم ہیں کہیں زمینیں بنجر ہیں اور کہیں بارانی اور دنیا میں ایسے بھی افراد ہیں جو کمانے کے قابل ہی نہیں اور بعض کمانے کے قابل ہی نہیں رہتے اور یہ ایسے حقائق ہیں کہ جھٹلائے نہیں جا سکتے اور اس کو رب العالمین نے فضل بعضکم علیٰ بعض فی الرزق یعنی" اللہ تعالیٰ نے رزق میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے" سے تعبیر کیا ہے اس لیے اس قدرتی طبقاتی اختلاف سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ فطری تفاوت خالق کائنات کے ارادے اور مشیت کے بغیر ہوا ہے۔ بلکہ دنیا کے نظام کو چلانے کے لیے یہ لازمی امر تھا اور دنیا کے تمام حوادث و واقعات اس کی حکمت و مصلحت کے مظاہر ہیں۔ ذرا اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو دنیا کی ہر ہر چیز میں تفاوت پایا جاتا ہے اور جس نے بھی اس تفاوت کو مٹانے کی کوشش کی۔ الٹے پاؤں پھر آیا۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ اسلام نے اس قدرتی تفاوت کو آزاد نہیں رہنے دیا کہ جس سے مفرط سرمایہ داری جنم لے اور نہ اتنا جبر کیا ہے کہ انسان محض گدھا بن کر رہ جائے

بلکہ اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔

گردش دولت کے طریقے

حضرت ! پانچواں سوال ہے دین میں دولت کی گردش کے کیا کیا طریقے ہیں ؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے فرمایا :

قرآنِ کریم کی سورہ حشر میں ہے کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم یعنی ہم نے تقسیم دولت کا قانون اس لیے بنایا کہ دولت صرف سرمایہ داروں میں ہی محصور ہو کر نہ رہ جائے

اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوٰۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضًا سخریا۔ اسلام نے یہ اصولی بات کرکے گردش دولت کے طریقے بتائے۔ سب سے پہلے تو عاملین پیدائش میں ... دولت کو اس طرح تقسیم کیا کہ سرمایہ داری اور سوشلزم کی بجائے کے ... عاملین پیدائش کے مشترکہ عمل سے جو پیداوار حاصل ہوئی اس کو اس طرح تقسیم کیا کہ محنت کو بشکل اجرت، سرمائے کو سود نہیں منافع کی صورت میں اور زمین کو کرایہ کی شکل میں دی۔ پھر اس کو مزید پھیلانے کے لیے اسلام نے اپنا ایک اور اصول بیان کیا ہے کہ :

فی اموالھم حق معلوم ○ للسائل والمحروم یعنی مسلمان کے مال میں غرباء کا حق متعین ہے وہ اگر انہیں دیتے ہیں تو احسان نہیں کرتے بلکہ اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔

اسی طریقے سے وراثت ، زکوٰۃ ، عشر ، صدقات ، کفارات ، نفقات ، جزیہ ، خراج اور صدقۃ الفطر وغیرہ گردش دولت کے ثانوی مدّات ہیں جنہیں قرآن کریم جگہ بہ جگہ بیان کرتا ہے۔ رہی سہی کسر اسلام قدرتی چشموں ، پہاڑی جنگلوں اور چراگاہوں کو تمام مخلوق کا مشترکہ سرمایہ قرار دے کر پوری کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہی معادن ، پانی کا شکار ، پانی ، خودرو پیداوار اور غیر مملوکہ بنجر زمین کو وقف عام قرار دیتا ہے۔

اسلامی طرز معیشت کے ان اصول و ضوابط کے تحت دولت بالکل اسی طرح گردش کرتی ہے۔ جیسے انسان کی رگوں میں خون گردش کرتا ہے۔ خلفائے راشدین اور ما بعد کے ادوار اس حقیقت کی شہادت دے رہے ہیں۔

روزی کمانے کے ذرائع

اسلام نے روزی کمانے کے کن کن ذرائع سے روکا ہے؟ یہ چھٹا سوال تھا
مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی:
اسلام نے سود، رشوت، چوری، ڈاکہ، غصب، دھوکہ دہی، ذخیرہ اندوزی، فحاشی و عریانی پھیلانے والے ذرائع، قحبہ گری، عصمت فروشی، شراب کی صنعت اس کی بیع اور حمل و نقل۔ منشیات، جوا اور وہ تمام طریقے جن کی وجہ سے ایک فرد کا مال دوسرے کی طرف اتفاقاً منتقل ہو جائے۔ مثلاً سٹہ بازی، انشورنش کمپنیاں، انعامی بانڈز، معمہ بازی بت فروشی، بت گری، ناپ تول میں کمی کر کے، مال یتیم میں بے جا تصرف کر کے اور ملک و قوم سے غداری کر کے ان کے علاوہ اسلام نے روزی کمانے کے لیے ایسے کاروبار کی ممانعت کی ہے جس میں باہمی رضامندی نہ ہو۔
آپ ذرا اپنے ہی ملک کا عمیق مطالعہ کر کے دیکھیے اور بتایئے کہ کیا متذکرہ ذرائع پر پابندی لگا دینے سے معاشی توازن برقرار نہ رہ سکے گا؟ اور کیا اخلاقی گراوٹ کا سدباب نہ ہو جائے گا؟ ہر سلیم العقل اس کا جواب اثبات میں دے گا۔

جائز ذرائع معیشت

ساتواں سوال ہے: اسلام نے کن کن ذرائع سے کمانے کی اجازت دی ہے؟
مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے فوراً ہی فرمایا: شریعت نے روزی کمانے

کے لیے تجارت، کاشتکاری، جسمانی ودماغی محنت، صنعت کاری، باغ بانی، دستکاری، ٹرانسپورٹ، باربرداری، جانوروں، مرغیوں اور شہد کی مکھیوں کا پالنا اور اس کے علاوہ ایسے تمام ذرائع سے روزی کمانے کی اجازت دی ہے جن میں کسی قسم کی کوئی شرعی قباحت نہ پائی جائے۔

تجارت سے متعلق سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "میری امت کی روزی $\frac{9}{10}$ حصے تجارت میں ہے۔ اور فرمایا کہ صادق اور دیانت دار تاجر قیامت کے دن عرش کے سائے تلے ہوگا۔ ہاتھ کی کمائی سے متعلق بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہترین کمائی کسبِ ید ہے"

علاوہ ازیں اور بہت سے جائز ذرائع معیشت ہیں جن کا علیحدہ علیحدہ ذکر کرنا طوالت اختیار کر جائے گا۔

حکومت کا فریضہ

کیا آپ کے خیال میں افراد مملکت کے لیے بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی حکومت کا فریضہ نہیں ہے؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی بولے:

عزیزم! سب سے پہلے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ بنیادی ضروریات زندگی سے کیا مراد ہے۔ تو اس سلسلے میں عرض یہ کہ ایسی اشیا، خدمات جن پر انسانی زندگی کی بقا اور نشوونما کا انحصار ہوتا ہے۔ اب لیجیے اپنے سوال کا جواب "بنیادی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی ایسا مسئلہ نہیں کہ حکومت اس کی طرف بالکل ہی توجہ نہ دے اور نہ ہی اتنا اہم ہے کہ ہماری ساری کی ساری کوششوں کا مقصد بن جائے۔ بلکہ مقصودِ زندگی کیلیے راہگزر کا کام دے اور آپ جانتے ہیں کہ منزل تک پہونچنے کے لیے اس کے راستوں سے گزرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ تو اس لیے بنیادی ضروریاتِ

زندگی بہم پہونچانا اسلامی حکومت کا بنیادی فریضہ ہے۔ جیساکہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ہر آدم زاد کا یہ حق ہے کہ اُسے رہنے کے لیے مکان، تن ڈھانکنے کے لیے کپڑا پیٹ بھرنے کے لیے روٹی اور پینے کے لیے پانی میسر آئے ——— (ترمذی) آپ ہی کے فرمان کے مطابق اسلام کے پہلے خلیفہ سیّدنا حضرت ابُوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "خدا کی قسم! خلافت مجھے خدمت خلق سے کبھی باز نہ رکھ سکے گی، اسی طرح خلیفہ دوم سیّدنا عمر فاروقؓ نے یہ حکم صادر فرمایا کہ ہر نومولود بچہ کی صحت، تندرستی و توانائی اور ہوش وحواس سنبھالنے تک اسلامی حکومت کے خزانے سے وظیفہ ادا کیا جائے۔ جس میں دودھ، خوراک اور علاج معالجہ سبھی کچھ داخل ہے" ——— (الامامۃ والسیاسۃ) حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرۃ امیر معاویہؓ اور مابعد تک یہی سلسلہ جاری رہا۔

اسلام نے بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی کی ذمہ داری دراصل خلافت پر ڈالی ہے۔ جیساکہ حدیث پاک سے واضح ہوتا ہے "حضرۃ سلمانؓ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ خلیفہ اُسے کہتے ہیں جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرے اور رعایا پر اس طرح شفقت کرے جس طرح اپنے اہل وعیال پر شفقت کرتا ہے۔ یہ سُن کر کعبُ الاحبارؓ نے فرمایا "سچ کہا"

تو معلوم ہوا کہ عوام کے لیے اسبابِ معیشت مہیا کرنا اور ضروریاتِ زندگی بہم پہونچانا اسلامی حکومت کا فریضہ ہے۔

جذبۂ محرکہ

یہ ہمارا آٹھواں سوال تھا کہ ایک آدمی اپنی کمائی میں سے غریب کو کیوں دے؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے فرمایا کہ تمہارے اس سوال کا جواب تفصیل طلب ہے۔

وہ یوں کہ بنیادی عقائد کے بدل جانے سے انسان کا زاویہ نگاہ بدل جاتا ہے اور اس کے

اندازِ فکر اور نقطۂ نظر کی ساری عمارت عقائد کی بنیادوں پر تعمیر ہوتی ہے۔ اسی حقیقت کو مدِّنظر رکھ کر سراج منیر صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک کرن نے هو الاول وهو الاخر اور هو الظاهر وهو الباطن کی ضیا پاشی کر کے کائنات کی ابتدا سے متعلق میکانکی تصوّر کائنات کی فلسفیانہ موشگافیوں کو یکسر ختم کر دیا اور پھر وما خلقنا السماء والارض وما بینهما باطلا کا روح افزا پیغام دے کر مادیئین کی اس تحقیق کی تغلیط کر دی کہ "سلسلہ کائنات یونہی چل رہا ہے اور اس کا کوئی مقصد نہیں ہے۔" بلکہ خلق الله السموات والارض بالحق فرما کر واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں کو بامقصد پیدا کیا ہے اور ان فی ذالك لاٰیۃ للمؤمنین "ان میں حقائق پر یقین رکھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں" دراصل اسلام سلسلہ کائنات کو بامقصد ثابت کر کے انسانی قافلہ کا رُخ اس طرف موڑ دینا چاہتا ہے کہ انسان بھی اسی کائنات کا جزو ہونے کے باعث بامراد زندگی بسر کر رہا ہے اور حیات بعد الموت میں اس زندگی میں گزارے ہوئے ایک ایک لمحے کی باز پرس ہوگی تو اس طرح انسان "مادر پدر آزاد" زندگی بسر کرنے کی بجائے مستقل اقدار کے مطابق عمل کرے گا جس کے لازمی نتیجہ میں وہ — ان الدین عند الله الاسلام کی روشنی لے کر مستقل اور غیر متبدل قوانین کے مطابق زندگی بسر کرے گا، ایک متمدن اور پاکیزہ معاشرہ متشکل ہوگا کیونکہ اسے یہ یقین ہوگا کہ میں نے مرنے کے بعد اس کائنات کی خالق اور پالنہار ہستی کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔ پھر ہر انسان جلوت تو جلوت، خلوت میں بھی گناہوں، بداعمالیوں اور جرائم سے احتراز کرے گا کیونکہ وہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات بھی پڑھے گا الذی جعل لکم الارض فراشا والسماء بناءً ہم نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو چھت۔ نیز خلق لکم ما فی الارض جمیعا جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تمہارے لیے پیدا کیا۔ پھر وجعلنا لکم فیها معایش ومن لستم له برازقین ○ اس میں ہم نے تمہاری معیشت کا انتظام کیا۔ ان اصولی باتوں کے بعد اپنی اس دین کو یوں بیان فرمایا "افرءیتم ما تحرثون ○ ءانتم تزرعونه

امرنحن الزارعون ○ دیکھو تو سہی جو تم کاشت کرتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔

اسی طرح سورہ یسین میں فرمایا: اولم یروا انا خلقنا لھم مما عملت ایدینا انعاما فھم لھا مالکون "کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان کے لیے جانوروں کو اپنے ہاتھ سے بنا کر پیدا کیا پھر وہ اسکے مالک بن گئے"۔

ان آیات سے یہ مضمون سمجھ میں آتا ہے کہ ساری کائنات کا مالک اللہ ہے اور اس نے اپنی ملکیت کو انسان کی بقائے زیست کے لیے مالک بنا دیا اور پالنہار نے ساتھ ہی یہ قید بھی لگا دی کہ: اتوھم من مال اللہ الذی اتاکم انہیں (مستحقین کو) اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔ کیونکہ مالک کسی کو کسی چیز کا مالک بناتے وقت پابندیاں لگا سکتا ہے اور یہ اس کا حق ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر کرم نوازی کون کر سکتا ہے جو اپنی ہی ملکیت سے متعلق یہ فرما دے کہ وابتغ فیما اتٰک اللہ الدار الاخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا و احسن کما احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض جو تجھ کو اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا توشہ کما لے۔ اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھول اور بھلائی کر جیسے اللہ نے تجھ سے بھلائی کی اور ملک میں خرابی مت ڈالنی چاہ۔

اور قوم شعیب علیہ السلام کی طرح "مال اللہ" کو "اموالنا" سمجھ کر اپنی منشا کے مطابق تصرف نہ کر۔ وہ یہی تو کہتے تھے کہ: اصلوٰتک تامرک ان نترک مایعبد اباؤنا اوان نفعل فی اموالنا مانشؤا "کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ اپنے مالوں میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا ترک کر دیں۔

حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اللہ تعالیٰ جگہ بہ جگہ فرماتا ہے۔ کہ انسان تو صرف زمین میں بیج ڈال آتا ہے پھر اس کی کونپلیں کون نکالتا ہے، اس کے لیے ہواؤں کا انتظام کون کرتا ہے اور اسے سورج کی گرمی دے کر پکاتا کون ہے۔ ایک دانے سے ستر دانے کون پیدا کر کے

دیتا ہے۔ اگر وہ طوفان، سیلاب یا بیماری سے تباہ کر دے تو تمہاری ساری محنت دھری کی دھری رہ جائے۔

اس لیے فرمایا واتوا حقہ یوم حصادہ۔ اس کے کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔

اسی طرح جو اموال تمہارے پاس ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فی اموالھم حق للسائل والمحروم ○ اور جو اشخاص ایسا نہیں کرتے ان کے لیے قرآن کریم کا ارشاد ہے والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ○ یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکویٰ بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھٰذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون ○ جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں آپ دردناک عذاب کی خبر دے دیجیے کہ جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا۔ پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا جو انہوں نے اپنے لیے جمع کیا تھا اب اس کا مزہ چکھو جسے تم جمع کیا کرتے تھے۔

قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر کچھ اس طرح فرمایا ہے کہ ایسے لوگ قیامت کے دن بارگاہِ رب العزت میں کف افسوس مل مل کر کہہ رہے ہوں گے کہ اے اللہ ہمیں دنیا میں لوٹا دے تاکہ ہم تیرے احکام کی پیروی کریں۔ لیکن ان کی ایک نہ چل سکے گی اور ان کا آخری ٹھکانہ جہنم ہی ہے۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

خلاصہ یہ کہ ساری اشیاء کا مالک ــــ خالق کائنات ہے اس نے دنیا میں ان تمام چیزوں کو انسان کی ملکیت قرار دیا پھر اس پر کچھ تو پابندیاں لگا دیں اور اس میں کچھ مستحقین کے لیے حقوق متعین کر دیے اور فرمایا کہ اگر تم میرے مال کو میری منشا کے مطابق خرچ کرو گے تو باوجود اس کے کہ مال بھی تم میرے راستے میں میرا ہی خرچ کرو گے لیکن اس کا توشہ بھی تمہیں آخرت میں دوں گا اور ایک ایک کے ستّر ستّر دوں گا اور اگر تم نے مال اللہ کو قومِ شعیب علیہ السلام کی طرح

"اموالنا، سمجھا تو تمہیں جہنم کی آگ میں پھینک دیا جائے گا اور اس میں تم ہمیشہ ہمیشہ جلا کرو گے۔
اسلام انسان میں اس جذبہ محرکہ کو پیدا کر کے ایک شخص کی ضرورت سے زائد دولت کو ضروریاتِ
زندگی سے محروم افراد تک پہونچا دیتا ہے اور تحریص کے فطری جذبہ کو بھی ساتھ لے کر چلتا
ہے اس لیے کہ فطرت کو کچلا نہیں جا سکتا۔ ہاں اس کا رُخ بدلا جا سکتا ہے اور اسلام نے
ایسا ہی کیا ہے۔ اس کے برعکس جس دستورِ حیات میں فطرت کو کچلنے کی کوشش کی گئی وہ انجام
کار اسی مقام کی طرف لوٹ آیا جہاں سے اس کی ابتداء ہوئی تھی اسی طرح جس نظام زندگی
میں تحریص کے فطری مادہ کو آزاد اور بے لگام چھوڑ دیا گیا وہاں انسانی برادری طبقات میں منقسم
ہو کر رہ گئی اور معاشی توازن برقرار نہیں رہ سکا۔ امیر۔ امیر سے امیر ہوتا چلا گیا اور غریب۔
غریب سے غریب ہوتا چلا گیا لیکن اسلام نے اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔ نہ تو اس نے
سوشلزم کی طرح انسان کے فطری جذبہ تحریص کو کچلنے کی کوشش کی ہے اور نہ ہی کیپٹلزم کی طرح
غلط رُخ پر ڈال دیا ہے جس کے لازمی نتیجہ میں جبر سے کام لینا پڑتا ہے، نہ طبقاتی کش مکش جنم لیتی ہے
معاشرہ گلاب کی شگفتہ پنکھڑیوں کی طرح اس خوش اسلوبی سے ترتیب پاتا ہے کہ اس کا ہر فرد
خوش حال زندگی بسر کرتا ہے

انفاق فی سبیل اللہ

اگلا سوال تھا کہ ویسئلونک ماذا ینفقون ۃ قل العفو ۃ کا کیا مطلب ہے
بالتفصیل بیان فرمایئے

آپ نے جو یہ سوال کیا ہے اس کو کمیونسٹ لوگ جو کسی دین سماوی کے قائل نہیں ہیں
مسلمانوں کو تنگ کرنے کے لیے پیش کیا کرتے ہیں۔ پوری آیت یہ ہے "اور یہ لوگ آپ سے
پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں۔ آپ فرما دیجیے جو ضرورت سے زائد ہو۔ اسی
طرح بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے احکام تاکہ تم دنیا و آخرت میں فکر کرو۔" آیت کے

لفظی ترجمہ سے ظاہر ہے۔ باقی اس کی تفسیر صحابہ کرامؓ کے عمل سے ہی ہوسکتی ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ اپنی ضرورت سے زائد ایک پیسہ بھی نہیں رکھا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی بزرگ یہ عمل اختیار کرے تو یہ قابل تحسین ہوگا۔ مگر قرآن پاک کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے اس مضمون کو اس آیت کریمہ میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ہر شخص اپنے حالات و ضروریات کے مطابق اس پر عمل کرسکے۔

ایک شخص حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متذکرہ اصول پر بھی عمل کرسکتا ہے۔ ایک شخص اپنی ضروریات کو زیادہ وسیع سمجھ کر کم خرچ کرسکتا ہے لیکن ولا تبذر تبذیرا ○ ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین ۔ اور مال کو فضولیات میں نہ اڑا بے شک فضولیات میں اڑا دینے والے شیطانوں کے بھائی بنے ہوتے ہیں۔

دوسرے مقام پر یوں آتا ہے :

کلوا واشربوا ولا تسرفوا ج انہ لا یحب المسرفین ع

کھاؤ اور پیو، لیکن اسراف سے کام نہ لو۔ بے شک وہ مسرفوں کو پسند نہیں کرتا۔

تیسرا آدمی اپنی اور بال بچوں کی رہائش کے ساتھ تعلیم و پوشاک اور ضروریات زندگی کو پیش نظر رکھ کر زائد حصہ ضرورت مندوں کو دے سکتا ہے۔ ایک شخص زکوٰۃ اور صدقات واجبہ ادا کرنے کے بعد شرعی گنجائش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زائد جائیداد بنا سکتا ہے اور ضرورت کے وقت جہاد وغیرہ کے لیے قربانی کرسکتا ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار سال کے اخراجات امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے مہیا فرما دیے تھے۔ اسلامی احکام مثلاً زکوٰۃ دینا، مویشی رکھنا اور تجارت کے لیے رقم جمع کرنا وغیرہ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ آیت کریمہ کے وقتِ نزول سے لے کر آج تک صلحاء اور ذمہ دار علماء دین کا متواتر عمل بھی یہی تفسیر سکھاتا ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ تبوک کے لیے انفاقِ فی سبیل اللہ کی اپیل فرمانے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تین سو لدے لدائے

اُونٹ پیش کرنے اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بیش بہا مالی قربانیوں سے بھی یہی حقیقت ثابت ہوتی ہے۔ بہر حال سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو جائز طریقے سے کمائے ہوئے مال کو اپنے پاس رکھنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوۂ تبوک کے بعد جب ان کی معافی کے لیے آیت توبہ نازل ہوئی تو انہوں نے اسکی خوشی میں اپنی ساری جائیداد اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کے لیے پیش کی مگر آپ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ یہ بھی ثابت ہے کہ خلیفۂ اول ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گھر کا سارا اثاثہ اور سارا مال غزوۂ تبوک کے چندے کے سلسلے میں پیش کر دیا تھا۔ یہ سارے اعمال آیت کریمہ کے تحت جائز ہیں۔

ہر شخص کو اپنی حاجات و ضروریات کا خیال رکھنے اور اندازہ لگانے کا حق حاصل ہے اب آیت کریمہ کا ترجمہ پھر پڑھو۔ جس میں فرمایا گیا۔ تاکہ تم دنیا و آخرت میں فکر کرو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جہاں آخرت کے کام ضروری ہیں وہاں دنیا کے حوائج سے بھی چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔

ہر شخص اپنی موجودہ زندگی اور آخرت کے نفع و نقصان پر غور کر کے اپنی عقل کے مطابق اپنی ضروریات سے زیادہ خرچ کرنے کا مکلّف ہے۔ لوگوں کے احساسات، جذبات اور عشق و محبّت کے مدارج مختلف ہوتے ہیں۔ صدقاتِ واجبہ اور دیگر اموال فی الحقوق ادا کرنے کے بعد وہ خود اپنے دل سے پُوچھ سکتا ہے

اس تفسیر سے ظاہر ہوا کہ کیونسٹ قسم کے "مہربان" مسلمانوں کو قرآن فہمی کے سلسلے میں جو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ غلط ہے۔ خود تو اپنا سارا کچھ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے بلکہ اپنی زندگی کو زیادہ بہتر بنانے کے لیے انہوں نے خود ساختہ ڈھنگ اختیار کر رکھا ہے کہ سب کچھ حکومت لے کر مصنوعی مساوات قائم کر دے۔ اس کا نام سوشلزم رکھا جو فطرت کے خلاف ہے اور جس میں آئے دن وہ خود ترمیمیں کرتے رہنے پر مجبور رہے

تنگیٔ معیشت کی وجہ

ومن اعرض عن ذکری فان لہٗ معیشۃ ضنکا ونحشرہٗ یوم القیامۃ اعمٰی ○ اس آیت مقدسہ کے تحت چاہیے تو یہ تھا کہ کافروں کی معاشی حالت تنگ ہوتی اور مسلمانوں کی معیشت کشادہ ہوتی۔ لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟ یہ ہمارا آخری سوال تھا۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے فرمایا کہ اگر ایک شخص چوری کی بکری کا گوشت سیر ہو کر کھالے اور دوسرا شخص اپنی محنت کی کمائی سے ایک ہی بوٹی کھا کر اللہ کا شکر ادا کرے تو آپ خود ہی فیصلہ کر لیجیے کہ اول الذکر آدمی کی معاشی حالت اچھی ہے یا مؤخر الذکر کی ؟ پہلا شخص ملکی معیشت پر بوجھ ہے یا دوسرا ؟

اسی طرح اگر ایک افسر رشوت کے ذریعے عمارت پر عمارت بناتا چلا جائے اور ان پر ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشا یا ھٰذا من فضل ربی بھی لکھوا دے اور اس کے برعکس ایک مزدور معاشی توازن کو درہم برہم کرنے والے ذرائع سے ہٹ کر اپنی کمائی ہوئی دولت سے ایک سادہ سا مکان بنالے تو آپ ہی بتایئے کہ افسر ملک کی معیشت پر بار ہے یا مزدور ؟

علاوہ ازیں آسمانی تعلیمات کے منکر ہونے کے باوجود سوشلسٹوں نے سود، جوا، انشورنش کمپنیاں اور اسی قسم کے معاشی توازن میں بگاڑ پیدا کرنے والے ذرائع کو یکسر ختم کر دیا کیونکہ انہیں بھی اس کے سوا کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا جب کہ اسلام آج سے چودہ سو سال پہلے امّتِ مسلمہ کو یہ تمام قوانین دے چکا ہے۔ اگر کوئی فرد، کوئی قوم یا کوئی ملک محض مادی اعتبار سے ہی اسلامی طرزِ معیشت کے مطابق کچھ نہ کچھ اپنی معیشت کو ڈھال لے تو اس کے لیے آخرت میں تو کوئی حصہ نہ ہو گا، لیکن دنیا میں اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔

انٹرویو

(یہ انٹرویو ۹؍اکتوبر ۱۹۷۲ء سے لینا شروع کیا اور تین دن کی گوناگوں مصروفیات کے باعث ۱۱؍اکتوبر ۱۹۷۲ء کو مکمل ہوا۔ اس میں ملک کے بدلتے ہوئے حالات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور یہ انٹرویو بھی زیرِ نظر کتاب کے لیے ہی لیا گیا ہے۔)

تاریخ ساز شخصیت

جمعیۃ علماء اسلام کے رہنما مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کھلی کتاب کی طرح ہیں۔ عصری معلومات کا بے بہا ذخیرہ ہیں۔ حکمرانوں کے داؤ پیچ خوب سمجھتے ہیں۔ سیاسی گتھیوں کو چٹکیوں میں سلجھا دیتے ہیں۔ زمانے کی گردش پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔ وقت کے زیر و بم پر نگاہ رکھتے ہیں۔ اتار چڑھاؤ کو بھانپ جاتے ہیں اور یہ کوئی داستان سازی نہیں۔ بلکہ مانسہرہ سے راولپنڈی تک تین دن کی رفاقت کے تاثرات قلمبند کر رہا ہوں۔ اس دوران میں میں نے موصوف کو ہر زاویہ نگاہ سے دیکھا، ہر اعتبار سے پڑھا، ہر لحاظ سے پرکھا، ہر طرح جانچا، ہر رُخ سے مشاہدہ کیا اور ہر میزان میں تولا۔ ایک جامع انسان نکلے۔

سفر کے بعد مولانا مجھے اپنی قیام گاہ پر لے گئے اور مجھ ایسے گنہگار کو ان کے ہاں مہمان بننے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی مہمان نوازی کا یہ حال تھا کہ بچھے جا رہے تھے۔ آنکھیں فرشِ راہ بنی ہوئی تھیں۔ مجھے اس وقت عدم کا یہ شعر بار بار یاد آ رہا تھا۔ ؎

جہاں اگرچہ ہے پُر بے شمار لوگوں سے
یہ تجربہ ہے عدم کا بہت قلیل ہیں لوگ

یہ تاریخ ساز شخصیت چھہتر سال پہلے ۱۸۹۶ء میں بفہ ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئی۔ مڈل تک تعلیم علاقہ کے سکول میں حاصل کی۔ ۱۹۱۲ء میں پانچویں جماعت کا امتحان پاس کیا اور اوّل آئے۔ تین سال تک وظیفہ لیتے رہے۔ ۱۹۱۴ء میں مڈل پاس کیا تو انسپکٹر تعلیمات نے آپ کے والد محترم کو اس بات پر مجبور کیا کہ اپنے ذہین اور لائق بیٹے کو پشاور کے کسی کالج میں داخل کرا دیں، لیکن انھوں نے ایک نہ مانی اور دینی تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند بھیج دیا۔

جب میں نے یہ کہا کہ اگر آپ کالج میں داخل ہو جاتے تو آج کسی بڑے عہدہ پر فائز ہوتے۔ فرمانے لگے۔ "مسلمان نہ ہوتا" میں ایمان کی حفاظت کی قیمت کو تمام آسائشات اور تعیشات سے اس قدر بہتر سمجھتا ہوں کہ ان دونوں چیزوں کے تقابل ہی سے میرا دل کانپتا ہے۔ بھلا ایمان کی دولت کی ریس ہو سکتی ہے؟"

میں یہ باتیں بڑی ہوشیاری سے لکھ رہا تھا کہ کہیں مولانا ناراض نہ ہو جائیں کیونکہ اس سے پہلے میں کئی مرتبہ ان سے یہی باتیں پوچھنے کے لیے مختلف مقامات پر ملا۔ لیکن ہر بار یہی کہہ کر ٹالتے رہے کہ سوانح حیات تو بزرگوں اور بڑے لوگوں کی لکھی جاتی ہے۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور السید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ایسی شخصیات کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے ہیں اور انہی بزرگوں کی صحبت کا اثر ہے کہ ان میں ذاتی مسابقت کا جذبہ نام کو نہیں پایا جاتا۔

شمس القمر قاسمی

حقائق

مکمل صُوبائی خودمختاری

پہلا سوال : کیا یہ صحیح ہے کہ جمعیتہ مکمل صوبائی خودمختاری چاہتی ہے ؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کا فرمانا تھا کہ جمعیتہ علماء اسلام ہر معاملہ میں آسمانی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرتی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے صوبوں کے لیے عامل مقرر فرمائے۔ جنھیں اپنے صوبے میں قرآنی ہدایات کے مطابق نظم ونسق چلانے کا پورا پورا اختیار ہوتا تھا اور خلفاء راشدین کے مبارک دَور میں بھی عمال کے توسط سے مرکز کا تمام صوبہ جات پرکنٹرول ہوتا تھا۔ البتہ گورنر اپنے صوبے کے تمام اندرونی معاملات اسلامی اصول وضوابط کے مطابق چلایا کرتے تھے اور تمام صوبائی حکومتیں مرکز سے وابستہ ہوتی تھیں امورِ خارجہ دفاع، کرنسی، بین الصوبائی مواصلات اور بیرونی تجارت ایسے اہم محکمے مرکز کے پاس ہوتے تھے اور معاملات میں صوبوں کو خودمختاری حاصل ہوتی تھی اور ایسی کوئی بات نہ تھی کہ مرکز کو بے اختیار یا کمزور کردیا جائے یا اس کا کوئی حکم صوبوں میں نہ چلنے دیا جائے۔ بلکہ انہیں مرکز کی طرف سے جو اختیارات سپرد کیے جاتے وہ ان کو دیانت داری کے ساتھ جاری کرنے

میں آزاد ہوتے تھے۔

معلوم ہوا کہ اسلام میں اختیارات کا سرچشمہ مرکزی حکومت ہوتی ہے۔ بشرطیکہ وہ شرعی احکام کے مطابق ملکی نظم ونسق چلاتی ہو اور صوبائی معاملات میں مداخلت کر کے کام میں روڑے نہ اٹکائے۔ اسی طرح صوبہ جات اور مرکز میں باہمی تعاون اور اعتماد قائم ہوگا۔

ہم اس بات کے صدق دل سے قائل ہیں کہ اسلام میں اختیارات کی تقسیم اُوپر سے نیچے کو ہوتی ہے۔ لیکن اگر مرکز ہی صوبوں کے ساتھ اچھا سلوک روا رکھنے کی پالیسی پر گامزن نہ ہو اور صراطِ مستقیم سے ہٹ کر کوئی اور راہ اختیار کرے تو آپ خود ہی فیصلہ کر لیجیے کہ اس کے خلاف آواز اٹھانا، احتجاج کرنا اور کلمۂ حق بلند کر کے افضل جہاد کا فریضہ ادا کرنے میں کونسی قباحت ہے۔؟ لیکن اس میں حکومت سے بغاوت کا جذبہ کارفرما نہ ہو۔

ہاں اگر حکومت اسلام کے دائرہ سے بالکل ہی نکل جائے تو اس وقت اصلاحی کوشش نہیں بلکہ حکومت کو معزول کرنا ضروری ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان کسی مُرتد کمیونسٹ یا منکرِ دین کی حکومت کو برداشت نہیں کرتا۔

لیکن اسلام کی پوری تاریخ میں یہ کہیں نظر نہیں آتا کہ صوبوں نے مرکز کے خلاف احتجاج کیا ہو۔؟

یہ ہمارا ضمنی سوال تھا۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے برجستہ جواب دیا کہ:

مرکز نے اپنی طرف سے کبھی یہاں تک نوبت ہی نہیں پہونچنے دی۔ لیکن آج کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ جس کی وجہ سے باہمی اعتماد واتحاد ہوتا ہے، نہ عمل کرنے کے لیے کوئی متفقہ قانون ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی ایک ایسی شاہراہ متعین ہونے پائی ہے کہ جس پر چل کر منزلِ مقصود تک پہنچا جائے۔

لندن پلان

دوسراسوال تھا کہ لندن پلان کی کیا حقیقت ہے ۔؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے فرمایا کہ : جہاں تک سرکاری اور غیر سرکاری اطلاعات کا تعلق ہے تو لنڈن پلان کی تصدیق نہیں ہو سکی بلکہ صدر مملکت نے اس سے اپنی لاعلمی کا اظہار بھی کیا ہے اور وزیر اطلاعات ونشریات نے ذرائع ابلاغ سے لندن پلان سے متعلق پروپیگنڈے کو بھی بند کر دیا ہے ۔

البتہ غلام جیلانی نے تمام بیانات اور تردیدوں کے بعد لندن میں ایک بیان داغا ہے اور وہ یہ کہ " بنگلہ دیش کو تسلیم کر لینے کے بعد مجیب کنفیڈریشن ماننے کے لیے تیار تھا " اس بیان سے مجیب کے ساتھ کنفیڈریشن پہ بات چیت کی کچھ بُو آتی ہے ۔ جس کی تہہ میں غیر مسلموں کے معاندانہ رویے کے اثرات اور دلچسپی، نیز غیر ملکی طاقتوں کی مداخلت دیکھ کر اس قسم کی کنفیڈریشن بنانا ہے جو کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں اور نہ ہی یہ اسلام کا حکم ہے اس کے برعکس اگر مسلم ممالک نیک نیتی کے ساتھ اپنی اسلامی قوت کو مضبوط کرنے کے لیے سیّد جمال الدین افغانی کے تصور کو عملی جامہ پہنا لیں تو یہ خوش آیند اقدام ہوگا ۔

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اختلاف کی نوعیت

مفتی صاحب اور آپ کے درمیان اختلافات کی کیا وجہ ہے ؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی پہلے تو مسکراتے اور پھر فرمانے لگے : میرے اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ العالی کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اخبارات مشورے کے دوران میں آنے والی آرار کو اختلافات کی خبریں بنا کر قوم کے سامنے

پیش کر رہے ہیں یہ نہ میرے خیر خواہ ہیں نہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے، اور نہ ہی جمعیتہ علماء اسلام سے انہیں کوئی ہمدردی ہے۔

یوں اگر مطلقاً اختلاف رائے رکھنا غلط ہوتا تو مشورے کیوں کیے جاتے مجالس شوریٰ کا وجود نہ ہوتا، پارلیمنٹ میں بحث و تمحیث کے لیے کوئی فارمولا پیش نہ کیا جاتا، مثلاً حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ کی رائے یہ تھی کہ کسی شخص کا سرکاری عہدے پر فائز ہونے کے بعد کسی جماعت کا عہدیدار رہنا صحیح نہیں ہے اور میرے نزدیک اس بات میں کوئی بین الاقوامی یا شرعی قدغن نہیں تھی۔ اس اختلاف رائے کا ذکر اخبارات میں بھی آیا۔ اب آخر حضرت مفتی صاحب مُدظلہٗ نے میری رائے کو قبول فرمالیا ہے۔ اس طرح کی اور بہت سی باتیں ہو سکتی ہیں، لیکن یہ چیزیں بنیادی اسلامی مسائل کو حاصل کرنے یا اعلیٰ اقدار تک پہونچنے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتیں اور ان کو اختلاف کا نام دینا بھی غلط ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ میں پشاور جا کر اکثر حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ کے ہاں ٹھہرتا ہوں۔ کبھی ایک دوسرے سے شکایت نہیں ہوئی۔

بلوچستان میں نیپ کی سستی

آخر نیپ پانچ نکاتی فارمولے پر عمل کیوں نہیں کر رہی ہے ؟

ان کا جواب تھا کہ یہ سوال آپ کو نیپ سے کرنا چاہیے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں نے نیپ کے ذمہ دار افراد سے کہا ہے کہ وہ ازراہِ کرم پانچ نکاتی فارمولے کو بروئے کار لانے میں علماء بلوچستان کی مدد فرمائیں۔ سب جانتے ہیں کہ یہ چار پانچ ماہ کی تاخیر ملک کے اندر سیاسی الجھنوں اور غیر تسلی بخش حالات کی وجہ سے ہوتی ہے۔ میرے اس اخباری بیان کے بعد فوراً مجھے غوث بخش صاحب بزنجو نے بلایا۔ لیکن میں بنوں کے دورے پر تھا۔ مجھے یقین ہے کہ نیشنل عوامی پارٹی بلوچستان کے مسلمانوں کے ذہن کے عین مطابق اسلامی نکات کو

صُوبہ سرحد سے بھی پہلے بروئے کار لائے گی۔

بُھٹو، مودُودی مُلاقات

صدر بھٹو اور مودودی کی ملاقات سے متعلق آپ کا کیا خیال ہے ؟

فرمانے لگے کہ محترم ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے صدر ہیں۔ وہ ہر طبقہ کے وفود سے ملتے رہتے ہیں۔ صدر مملکت کے لیے سب سے ملنا، سب کی باتیں سننا اور ملک و ملت کے مفادات کی خاطر سوچنا بہت ضروری ہے۔

البتہ اس ملاقات کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ صدر محترم کی خواہش پر ہوئی ہے۔ محض مودودی پروپیگنڈا ہے۔ باقی جو ممالک امریکہ سے دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں یا اب جن کا زاویہ نگاہ روس سے امریکہ کی طرف مڑتا جا رہا ہے۔ ان سے متعلق مودودی کی پالیسی پر نگاہ ڈال کر دیکھیں تو ملاقات کرنے میں مودودی ہی کی پہل ثابت ہوگی۔

احمدیّہ سٹیٹ

آخری سوال سے پہلا سوال یہ تھا کہ کیا پنجاب کو احمدیہ سٹیٹ بنانے کی سازش کی جا رہی ہے۔ ؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے یوں اظہار خیال فرمایا کہ : عرصہ سے پاکستان میں غلط کار قسم کے لوگ اور فرقے اپنے اقتدار کی ڈینگیں مارتے چلے آ رہے ہیں۔ مودُودیوں نے بھی مارے پروپیگنڈے کے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا کہ ہماری حکومت ہونے والی ہے کیمونسٹ بھی اپنے اقتدار کا خواب دیکھ رہے تھے جو شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

اسی طرح مُرتدو کافر مرزائی پہلے بلوچستان پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد ربوہ کے مبلغین کی زبانی یہاں تک سنا گیا کہ سارے ملک پر ان کی حکومت ہونے والی ہے

اور اب آپ کے سوال سے معلوم ہوا ہے کہ انکا یہ خواب سکڑ تا سکڑ تا پنجاب تک محدود ہو گیا ہے۔ آخرکار یہ قادیان کے اندر محصور ہو کر رہ جائے گا۔ اگرچہ وہاں بھی انہوں نے بھارتی حکومت سے وفاداری کا اعلان کیا ہے۔ لیکن ان کی دال نہیں گل سکتی۔ اوروں کی تو بھلا کیا چلتی آج تک پنجاب ہی سکھستان نہیں بن سکا۔ ہندو بنیوں نے سب کا دماغ ٹھیک کر کے رکھ دیا اور پنجاب و پاکستان کے مسلمان تو پہلے سے ہی مرزائیوں کو انگریز کا خود کاشتہ پودا سمجھتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے انگریز کی خاطر جہاد کو حرام قرار دیا تھا۔ مسلمان تو ایک لمحہ کے لیے بھی کسی مرزائی یا کمیونسٹ صدر کو برداشت نہیں کر سکتے۔

پاکستان کا مستقبل

پاکستان کے مستقبل سے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کی وطن سے محبت کا یہ عالم تھا کہ ابھی سوال ختم ہونے بھی نہ پایا تھا کہ جواب دینے لگے۔ فرمایا:

مجھے تو پاکستان کا مستقبل روشن نظر آ رہا ہے۔ آپ کے سوال سے جس مایوسی اور بددلی کا اظہار ہو رہا ہے۔ یہ متبادل قیادت، حصول اقتدار، ذاتی مسابقت کی جدوجہد اور دوبارہ انتخابات، ایسے نعروں کے سبب پیدا ہو رہی ہے۔ انشاءاللہ وہ دن دور نہیں جب یہ تمام نعرے اپنی موت آپ مر جائیں گے۔ کیونکہ گذشتہ انتخابات کے نتیجہ میں پہلی گورنمنٹ قائم ہوئی ہے جس کو آئینی طور پر پانچ سال تک حکومت کرنے کا حق حاصل ہے اور یہ حق قوم کی اکثریت نے دیا ہے آئندہ جنرل الیکشن میں قوم جن مقاصد اور جس نظام کو پسند کرے گی اس کے حاملین کو برسر اقتدار لے آئے گی۔

رہ گئی ہماری فوجی حالت۔ تو پاکستان کا ہر فوجی مرنے کو جینے پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ ایک شیر ہے جس کو زخم پہنچا ہے۔ وہ اپنے جوہر دکھانے کا منتظر ہے اور بحیثیت مسلمان

خدا سے شہادت کی موت کا طالب ہے۔ کیونکہ اس کو اپنوں ہی کے ہاتھوں ندامت کے یہ دن دیکھنے پڑے ہیں۔

ہمارے تاجروں کو بھی یہ معلوم ہونا چاہیے کہ پاکستان کے استحکام کی شکل میں ہی ان کی عزت اور ان کا سرمایہ محفوظ رہ سکتا ہے۔ صنعت کاروں کو صنعت کے ذریعے ملک کو مضبوط تر بنانا چاہیے اور تعلیم یافتہ طبقے کو چاہیے کہ وہ نوکری پر اپنے مقصد کو ترجیح دیں اور جہاد کے مخالفین کے ہتھکنڈوں کو ناکام بنانے کے لیے علماء حق کا ساتھ دیں۔

○

تقاریر
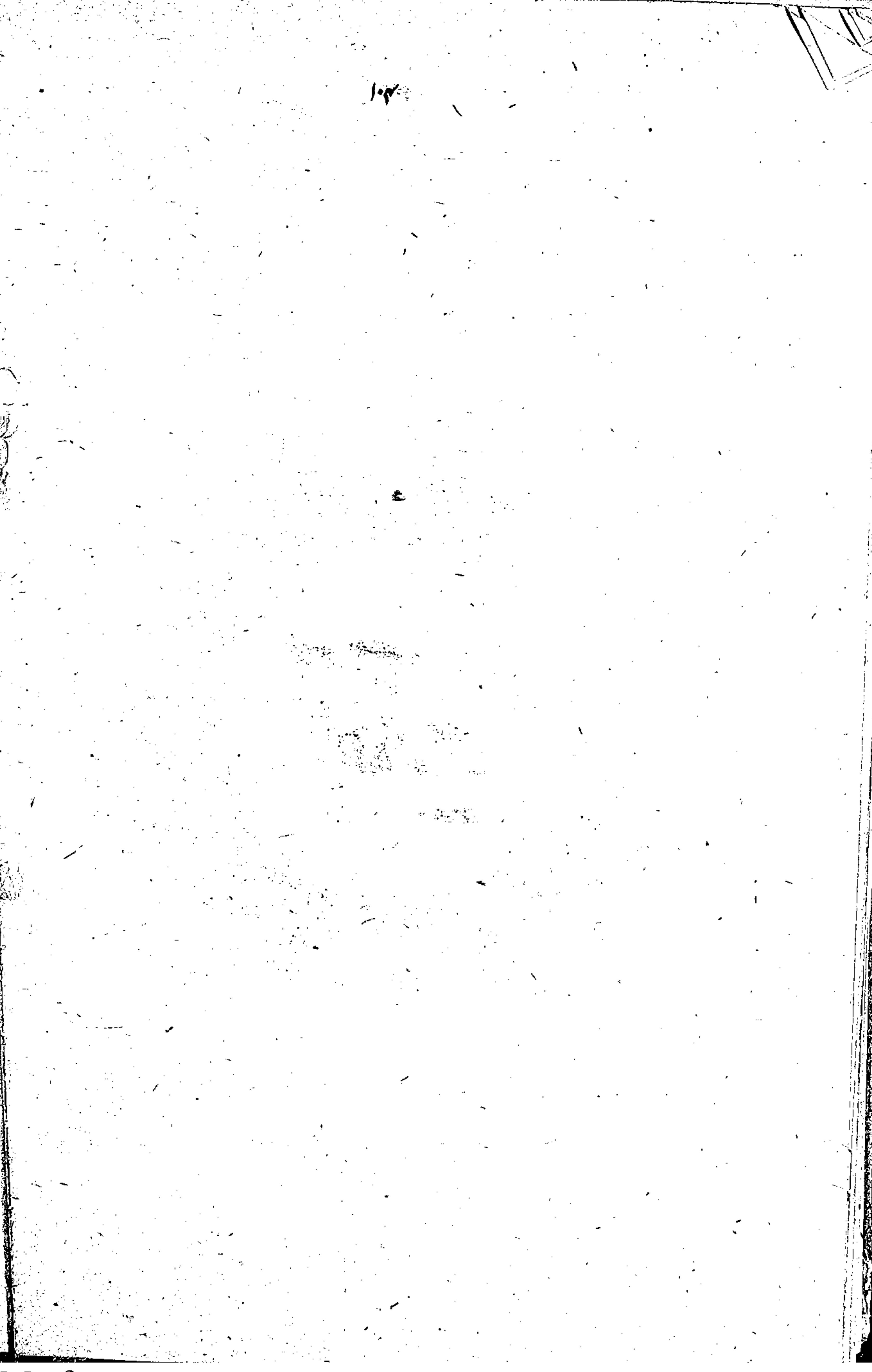
تقریر

(یہ تقریر مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے ۳ رجولائی ۱۹۶۴ء کو
صوبائی اسمبلی میں فرمائی تھی اور یہ اسمبلی کے ریکارڈ سے نقل کی گئی ہے ۔)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

۳ رجولائی ۱۹۶۴ء کو جب صوبائی اسمبلی کے اجلاس میں عائلی قوانین کی تنسیخ کی سفارش والی قرارداد پیش ہوئی تو اس کے خلاف چند عورتوں اور ایک مرد نے سوچی سمجھی تقریریں کر کے پرویز اور ملحدوں کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔ جس سے حساس ممبران خاصے اداس ہوئے ۔ اس کے بعد مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کو تقریر کا موقعہ ملا ۔ اَب آپ کھڑے ہوئے ۔

سپیکر : مولانا غلام غوث صاحب ! آپ کو پانچ منٹ ملیں گے ۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : جناب سپیکر ! اگر مخالفینِ شریعت کو آدھ گھنٹہ مل سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ مَیں شریعت کی حمایت کروں اور مجھے پانچ منٹ ملیں۔ یہ بڑا ظلم ہے ۔ مَیں واک آوٹ کر جاؤں گا ۔ اور میں سمجھوں گا کہ ایوان اس شریعت کو مسخ کرنا چاہتا ہے ۔ آپ میرے دلائل سنیں ۔ جب آپ نے ایوان کو ان کے دلائل سنوائے اور کفر کی باتیں سنوائی ہیں تو اب آپ ذرا میری باتیں بھی سنیں اور سنوائیں ۔

سینئر ڈپٹی سپیکر : آپ ضرور سنائیں گے ۔ آپ کو بجائے پانچ منٹ کے دس منٹ ملیں گے ۔ اس سے زیادہ وقت نہیں ملے گا ۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : جتنا وقت میاں عبداللطیف صاحب کو ملا ہے۔ اتنا وقت مجھے بھی دیا جائے۔

سینئر ڈپٹی سپیکر : انہوں نے پندرہ منٹ لیے ہیں آپ کو دس منٹ ملیں گے۔ اس کے متعلق جو کچھ فرمانا چاہیں آپ فرمائیں۔ باقی ممبر صاحبان بھی بولنا چاہتے ہیں

مقامِ افسوس

مولانا غلام غوث ہزاروی : مسلمان قوم کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی حادثہ نہیں ہو سکتا کہ اسلام کے بارے میں بعض مسلمانوں کے دلوں میں شکوک اور وسوسے پیدا ہونے لگیں لارڈ میکالے نے کہا تھا کہ "مَیں اس تعلیم سے مسلمانوں کو عیسائی تو نہیں بنا سکوں گا لیکن مسلمان بھی نہیں رہنے دوں گا"۔ مجھے افسوس ہے کہ آج اس ملک میں ایسے افراد پیدا ہو گئے ہیں جو لارڈ میکالے کے اس مقولے کے مصداق ہیں۔

ماہرینِ فن کمیشن کا قیام

ہر فن اور ہر شعبہ کے لیے ماہرینِ فن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے ہماری حکومت نے ہر محکمہ کے لیے ماہرینِ فن کا کمیشن مقرر کیا ہے، لیکن افسوس ہے کہ جب شرعی احکام طے کرنے کا وقت آیا تو وہ لوگ مقرر ہوئے جن کو قطعاً شریعت کا ماہر نہیں کہا جا سکتا ہیر ہیر

جناب والا ! جن لوگوں کے نام لیے گئے ہیں۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں ان کی حقیقتِ حال کھولتا۔ چونکہ اب وہ نہیں ہیں اس لیے ان کے بارے میں کچھ عرض کرنا مناسب نہیں ہے۔

احترامِ شریعت

جناب! یہ شریعت ہے، بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ چوری چھپے دنیا پر غالب نہیں آئی۔ یہ میدان میں بحث کر کے کفر اور باطل پر غالب آئی ہے۔ جناب والا! اگر کسی کو اس سلسلے میں بحث کرنے کی ضرورت ہے تو میں آپ کو ثالث مقرر کر کے تمام دلائل اور پوائنٹس پر بحث کرنے کو تیار ہوں۔

صدرِ محترم! میں آپ کے سامنے عائلی قوانین کے مصنفین کی جہالت بتانا چاہتا ہوں کیوں کہ عائلی کمیشن کے بارے میں محترمہ بیگم اشرف عباسی صاحبہ نے یہ فرمایا ہے کہ اس کا کوئی "جزو" شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا کوئی "حرف" شریعت کے مطابق نہیں ہے۔ (اس پر ایک بیگم صاحبہ تلملانے لگیں)

مولانا غلام غوث ہزاروی: آپ ذرا سینہ تھام کر سنیں۔

احمد سعید کرمانی:۔ پوائنٹ آف آرڈر۔۔۔ مولانا کو "سینہ تھام کر" کے الفاظ واپس لینے چاہئیں۔

(آوازیں، نہیں نہیں! یہ الفاظ غیر پارلیمانی نہیں ہیں)

مولانا غلام غوث ہزاروی: میرا ارادہ "کلیجہ تھام کر" کہنے کا تھا۔ "سینہ تھام کر" بولنے سے قطعاً کوئی اور خیال نہ تھا یہ تو آپ نے مجھے متوجہ کیا ہے۔

عدّت اور ایّامِ عدّت

جنابِ سپیکر! ان خواتین کو معلوم ہے کہ عورتوں کا منتھلی کورس مختلف ہوتا ہے جب ایک خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کو عدّت گزارنی پڑتی ہے۔ یعنی دوسری شادی کرنے سے پہلے کچھ مدّت اسے انتظار کرنا پڑتا ہے، اس کو عدت کہتے ہیں قرآنِ کریم میں ہے وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ جن کو طلاق مل جائے وہ تین قروء تک انتظار کریں۔ (یعنی تین ماہواری دوروں تک) اس کی جگہ

عائلی کمیشن نے نوّے دن لکھا ہے۔ مَیں صاحبزادیوں، بہنوں اور بیگمات سے عرض کروں گا کہ وہ خود سوچیں آیا ماہانہ عادت اور کورس مستورات کا مختلف رہتا ہے یا نہیں۔ آج ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے۔ کل وہ نماز پڑھنا چھوڑ دیتی ہے اور چھ دن وہ نماز نہیں پڑھتی۔ پھر بیس دن پاک رہ کر نماز پڑھتی ہے۔ یہ چھبیس دن ہو گئے۔ پھر چھ دن ناپاک رہتی ہے۔ اب بتیس دن ہو گئے۔ پھر بیس دن پاک رہتی ہے۔ یہ باون دن ہو گئے۔ پھر تیسری بار چھ دن کا ماہواری دَورہ پورا ہونے پر کل اٹھاون دن بن گئے اور اس طرح اس کی عدّت پوری ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن یہ قانون اس کو نوّے دن سے پہلے دوسرے نکاح کی اجازت نہیں دیتا۔ مَیں پوچھتا ہوں کہ قرآنِ کریم تو تین ماہواری دَورے مدّت مقرر کرتا ہے اور یہ قانون نوّے دن مقرر کرتا ہے۔ آپ نے جھوٹے فتوے نقل کیے ہیں کہ جی عُلماء نے فلاں فلاں کو کافر کہا ہے۔ یہ سب تاریخی غلط بیانیاں ہیں۔ لیکن مَیں آپ کے سامنے ایک فتویٰ لکھ دیتا ہوں کہ جو شخص قرآنِ کریم کی مقرر کی ہوئی عدّت یعنی تین ماہواری دَوروں کی میعاد کو صحیح نہیں سمجھتا اور اس کے مقابلہ میں نوّے دن کی عدت کو صحیح سمجھتا ہے وہ کافر ہے۔ (ہیئر ہیئر)

آپ کیا سمجھتے ہیں — یہ قرآن ہے۔ اس میں تنسیخ اور ترمیم ہرگز نہیں کی جا سکتی

عُلماء کی قربانیاں

جنابِ والا! مَیں عرض کروں گا میرے دوست نے بیان کیا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو کوڑے لگوائے گئے، جیل میں ڈالا گیا۔ اس لیے کہ مولوی نے فتوے دیئے۔ افسوس ہے اور اس غلط بیانی سے ان کو شرم آنی چاہیئے کیا سارے عُلماء ان کے ساتھ نہ تھے؟ یہ برسرِ اقتدار طبقہ ملحد و بدعقیدہ ہو گیا تھا اُس نے اپنے

بدعقیدہ ہونے کی وجہ سے خلق قرآن کا مسئلہ اٹھایا اور کہا کہ قرآن مخلوق ہے۔ علماء نے مخالفت کی اور علماء کے سربراہ امام احمد بن حنبلؒ تھے۔ جن کو جیل میں ڈالا گیا اور کوڑے لگائے گئے۔ یہ دوسری بات ہے کہ علماء کا مسلک تھا کہ اختلافِ مسلک کی وجہ سے ملک میں بغاوت نہیں کرنی چاہیے اور یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے کہ جب تک حکومت اور امیر مملکت مسلمان اور اسلامی حدود کے اندر ہو تو اس وقت تک بغاوت حرام ہے اس لیے کہ فسق و فجور کو دبانے سے پڑوسی کفر کے غلبے کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہمیشہ علماء کرام نے حق کہا اور حق کی پاداش میں مصائب برداشت کیے۔ مگر بغاوت نہیں کی۔

امامِ ربّانی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ گوالیار کی جیل میں گئے، امام احمد بن حنبلؒ نے کوڑے کھائے، لیکن حق کہا، سارے علماء کی نمایندگی کی، کسی عالم نے ان کے خلاف فتویٰ نہیں دیا۔ یہ حضرات تو خود علماء کے نمائندے تھے اور علماء ان کے ساتھ تھے۔

طلاق

مسٹر عبداللطیف صاحب نے جتنے حوالے نقل کیے ہیں۔ یہ تاریخی جھوٹ ہے اور یہ سب وہ حوالہ جات ہیں جن کو قادیانی اور پرویزی نقل کیا کرتے ہیں۔

عائلی قوانین میں ایک غلطی یہ ہے کہ طلاق کے بعد جب چیئرمین صاحب کو نوٹس دیا جائے گا اور جب وہ فیصلہ کرے گا۔ اس کے بعد طلاق نافذ ہوگی۔ حالانکہ طلاق مُنہ سے نکلتے ہی واقع ہو جاتی ہے

جنابِ والا! تیسری بات یہ ہے کہ ایک ماہ کے اندر اندر چیئرمین صاحب کو نوٹس دیا جائے گا۔ اس نوٹس کے بعد عدّت کی میعاد شروع ہوگی۔ حالانکہ عدّت کی میعاد طلاق کا لفظ نکلتے ہی شروع ہونی چاہیے۔ پھر ایک بیگم صاحبہ نے یہ کیسے کہا ہے کہ

اس قانون میں ایک "لفظ" بھی شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں اس قانون کا ایک "لفظ" بھی شریعت کے مطابق نہیں ہے۔ (ہیر ہیر)

عُلماء کا اجلاس

مولانا غلام غوث ہزاروی : یہ قانون غلط ہے۔ قوم اس کو نہیں مانے گی اور قوم اس کو برداشت بھی نہیں کرے گی۔ پہلے تو عُلماء خاموش رہے۔ مگر جب ابراہیم وزیرِ قانون نے یہ اعلان کیا کہ ہماری گورنمنٹ ایک آرڈی ننس کے ذریعہ عائلی کمیشن کی رپورٹ کو قانونی شکل دینا چاہتی ہے۔ تو سارے مغربی پاکستان کے عُلماء اکٹھے ہوئے اور دہلی دروازہ کے باہر جلسہ ہوا اور ہم نے کھلّم کھلّا حکومت کو متنبہ کیا کہ یہ غلط اقدام مت کرنا۔ اس کو عوام نہیں مانیں گے اور میں آج پھر کہتا ہوں کہ مسلم قوم اس کو کسی طرح برداشت نہیں کرے گی

پرسنل لاء میں مداخلت

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو ان قوانین میں ضد کریں گے در اصل وہ حکومت کے لیے مشکلات پیدا کریں گے۔ اس لیے کہ یہ مذہب کا معاملہ ہے۔ میں کہوں گا کہ انگریز آئے اور گئے اس کو ہمارے پرسنل لاء میں مداخلت کی جرأت نہیں ہوئی۔ بھارت گورنمنٹ کافر گورنمنٹ ہے۔ وہ پھر بھی جرأت نہیں کر سکتی کہ ہمارے پرسنل لاء میں مداخلت کرے۔ نکاح، طلاق اور وراثت جیسے مسائل کے اندر کوئی گورنمنٹ مداخلت نہیں کر سکتی۔

مَیں ایک اور بات کہتا ہوں۔ فرض کیجئے ہمارے اربابِ اقتدار کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ چلو نہ سہی۔ مگر آپ کون ہوتے ہیں دس کروڑ مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے والے؟ ان کے مذہبی خیالات میں مداخلت کرنے والے آپ ہیں کون؟ آپ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ آپ ہندوؤں کے پرسنل لاء میں تو مداخلت نہیں کر سکتے۔

انہیں مردے جلانے سے روک نہیں سکتے، آخر آپ مسلمانوں کی، مذہبی رسُوم، عبادات اور خیالات میں مداخلت کیوں کرتے ہیں ؟ حکومت کو مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے رہ گئی شریعت کی تعبیر کہ کیا ہے تو چودہ سو سال کے بزرگانِ دین کی متفقہ تعبیرات کے مقابلہ میں چند مسٹر، کرنلوں اور پتلونیوں کی تعبیر کیسے مانی جا سکتی ہے ۔ میرے دوست عبداللطیف نے کہا ہے کہ مَیں عالم نہیں ہوں ۔ میں کہتا ہوں کہ اگر آپ عالِم نہیں ہیں تو جاہل کو کوئی حق نہیں کہ شریعت کے بارے میں رائے دے اور قرآن پاک سے کھیلے (تالیاں، قہقہے ہنسی)

یہ کام علماء کا ہے، یہ کام ماہرینِ دین کا ہے ۔ میں مانتا ہوں آپ مصر، مراکش، یا لیبیا سے دو دو علماء لائیں لیکن احساسِ کمتری نہیں ہونا چاہیے ۔ آپ کے پاکستان میں جلیل القدر عُلماء موجود ہیں اُن میں سے بھی چار عالم بٹھائیے اور وہ فیصلہ کریں کہ کونسی چیز شریعت ہے اور کونسی نہیں ہے ۔ ہم کو منظور ہے ۔

یہ نہیں ہو سکتا کہ شریعت کو بازیچہ اطفال بنا دیا جائے ۔

احمد سعید کرمانی : یہ ٹھیکیداری بند کیجیے ۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : میں ٹھیکیداری کی بات نہیں کرتا ۔ مَیں عرض کروں گا ۔ جو بھی شریعت کا ماہر ہو ۔ آپ آجائیے کوئی آجائے لیکن شریعت کا ماہر ہو ۔ ایسا نہ ہو کہ پیشاب کیا اور آکر جماعت میں شریک ہو گئے ۔ کسی نے پوچھا ۔ جناب نے وضو کیا ہے ؟ تو جواب دیا کہ نہیں ۔ پوچھا ۔۔۔ پھر نماز میں شریک کیسے ہو گئے ۔ جواب دیا تھوڑا سا ثواب تو مل ہی جائے گا ۔ اس طرح کے ماہرین کی ہم کو ضرورت نہیں ہے مَیں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دو مسئلوں پر خصوصیّت سے بحث ہو رہی تھی ۔ ایک نکاحِ ثانی پر، اور دوسرے یتیم پوتے کی وراثت پر ۔

سینئر ڈپٹی سپیکر : آپ کا وقت ختم ہو گیا ہے، آپ اپنا پوائنٹ پُورا کر لیں ۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں نکاحِ ثانی اور بھتیجے اور چچا کی

موجودگی میں وراثت کے بارے میں شریعت کے خلاف جو زہر اگلا ہے۔ اس کے جواب کا موقعہ دیا جائے آپ کا فرض ہے۔ کیونکہ آپ نے وعدہ کیا ہے کہ میں جواب کے لیے وقت دوں گا اور پھر یہ دین کا مسئلہ ہے۔

عورتوں کے حقوق

جناب سپیکر! میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ محترمہ بیگم صاحبہ نے فرمایا ہے۔ کہ عورتوں کو تھوڑے حقوق ملے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ عورتوں کو جتنے بھی حقوق ملیں ہمیں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن شریعت پائمال نہیں ہونی چاہیے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ آج علماء نے عورتوں کو کیا دیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کو علم نہیں! سابق صوبہ سرحد میں علماء نے شریعت بل پاس کرواکر عورتوں کو وراثت دلائی ہے اور کلاچی کے ایک بڑے عالم اس میں شہید بھی ہوئے۔ اس کے علاوہ یہ کاظمی ایکٹ کیا ہے۔ یہ عورتوں کو مختلف تکالیف کی وجہ سے فسخ نکاح کا دعویٰ کرنے کی اجازت کا قانون علماء ہی نے تو بنوایا۔ اس کے مقابلہ میں ان بیگم صاحبہ نے جو بل پیش کیا تھا۔ قطعاً مکر و فریب سے بھرا ہوا تھا۔ جس کا نام "قاضی کورٹ" تھا۔ اس سے پہلے پہل تو مجھے بھی غلط فہمی ہوئی کہ ہر تحصیل میں کوئی افسر مقرر کیا جائے گا۔ جو سرسری طور پر تکلیف کی ماری اور مصیبت زدہ عورتوں کی کہانیاں سن کر شریعت کے مطابق جلد فیصلے کرے گا۔ تاکہ ان کو مصیبت سے نجات دلائے۔ چاہے خاوند ان کو رکھیں یا چھوڑیں۔ ان کا آخر میں جا کر مطلب یہ نکلا کہ قاضی عدالت سے مراد سیشن جج اور ڈسٹرکٹ جج ہے۔ یعنی یہ مقدمات ڈسٹرکٹ جج یا سیشن جج کے پاس ہوں۔ اس نے بیچاری عورتوں کے لیے تو اور مشکل پیدا کر دی تھی کہ یہ دور دراز سے مصیبتوں کے ساتھ وہاں آئیں۔ سیشن کے پیش ہوں۔ دراصل یہ تو صرف الیکشن سٹنٹ تھا۔ جس سے عورتوں کو دھوکہ دیا گیا۔۔۔۔ آپ نے کیا خدمت کی ہے؟ علماء

نے تو بر وقت آپ کے حقوق کے لیے کام کیا۔ ایک اور بات ہے، اگر یہ قانون وضع کرنے والے مخلص ہوتے اور وہ آپ کی ہمدردی کے لیے دوسری شادی روکنا چاہتے تو ان کو چاہیے تھا کہ یہ قانون بناتے کہ عورتوں کے خاوند غیر عورتوں کے ساتھ ڈانس نہ کیا کریں، کلبوں میں دوسری عورتوں سے محبت نہ کیا کریں۔ چکلوں میں نہ جایا کریں اور گھروں میں بے نکاح داشتائیں نہ رکھا کریں۔ (پُرزور تالیاں اور نعرہ ہائے تحسین)

ایسا کیوں نہیں کیا۔ اس لیے کہ جب ایک شخص نے دو نکاح کیے۔ چیئرمین نے رپورٹ کردی تو عدالت نے فریقین کو بلایا "تم نے دوسری شادی کی ہے" ؟ خاوند نے کہا "نہیں صاحب" کہا گیا کہ اچھا عورت کو بلاؤ۔ عورت کو بلایا گیا "کیا تم نے فلاں سے شادی کی ہے ؟" اس نے کہا " صاحب کوئی شادی نہیں کی" دونوں سے سوال ہوا "کہ جب تمہارا نکاح نہیں ہوا تھا تو پھر کیسے رہتے ہو ؟" کہا کہ "یارانہ ہے اور دوستانہ تعلق ہے" کہا " اچھا پھر تو خیر ہے جاؤ ـــــ (تالیاں اور قہقہے)

تُف ہے۔ نکاح ہو تو جرم ہے۔ ایک سال کی قید ہے۔ اگر بیس داشتائیں رکھ لیں تو کوئی عیب اور جرم نہیں ہے۔ یہ قانون عورتوں کی ہمدردی کے لیے نہیں۔ دھوکہ دینے کے لیے بنا ہے۔ اور عورتوں کو بازار میں لانے کے لیے بنا ہے۔

بے پردگی اور عُریانی

مولانا غلام غوث ہزاروی : قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

ولا یبدین زینتھن ـــــ خاوند اور محرم لوگوں کے سوا زینت کو ظاہر نہ کرے۔

اور یہ بازاروں میں پھر پھرا کر اسلام کی نمائندگی کرتی ہیں۔ یہ چار سو عورتیں۔ یہ پانچ سو عورتیں۔ چلو ہزار سہی۔

سپیکر : مولانا صاحب ! آرڈر۔ ذرا ٹھہریئے آپ کا ٹائم ختم ہوگیا ہے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : بس دو منٹ دیجیے ۔ مَیں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ چار سو بے پردہ عورتیں یا دو ہزار عورتیں ملک کی دو کروڑ پردہ نشین عورتوں کی نمائندہ نہیں ہو سکتیں ۔ ———(تالیاں اور نعرہ ہائے تحسین)———

سپیکر : آرڈر آرڈر

مولانا غلام غوث ہزاروی : میں ان سے پوچھتا ہوں ۔ کیا آپ کی عورتیں بازاروں میں چلتی پھرتی ہیں ؟ نہیں ہرگز نہیں ---- یہ بے پردہ اور بازاروں میں پھرنے والی عورتیں دو کروڑ پردہ نشین عورتوں کی نمائندہ قطعاً نہیں ہو سکتیں ---- یہ اُن کی نمائندہ نہیں ہیں ۔ ———(تالیاں اور واہ واہ)———

یہ شریعت میں مداخلت ہے ۔ اگر آپ وقت دیں تو میں بتاؤں گا کہ "یتیموں" کے لفظ سے کتنا دھوکہ دیا گیا ہے ۔ اگر بھتیجا یتیم نہ ہو ، بالغ ہو تو کیا یہ قانونِ اسلامی مان لیں گے ۔ یہ یتیم کا لفظ کہ کر ان کے جذبات سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں ۔

صاحبزادی محمودہ بیگم : پوائنٹ آف آرڈر ۔

سپیکر : مولانا صاحب ٹھہریے ۔ پوائنٹ آف آرڈر ہے ۔

صاحبزادی محمودہ بیگم : یہ غیر پارلیمانی لفظ ہے ۔ جو مولانا صاحب نے استعمال کیا ہے ۔ مولانا کو اس سے withdraw کرنا چاہیے ۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : میرا "اٹیک" اُن پر نہیں ہے ۔

میاں عبداللطیف : یہ اسلام کے ٹھیکیدار ہیں ۔ اس لیے کہ ان کے پاس داڑھی ہے ۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : اور آپ کے گلے میں فرنگی پھندا ہے ۔

سپیکر : آپ تشریف رکھیں ۔ اور مولانا صاحب آپ پہلے پانی پی لیں ۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : جناب ! مجھے پیاس نہیں ہے ۔ پیاس انہیں لگی ہے ۔ جو سن نہیں سکتے ۔ آپ لچر تاریخی جھوٹ تو سن سکتے ہیں ۔ اس کا جواب نہیں

سن سکتے۔

سپیکر: مولانا صاحب! آپ کے دو منٹ ختم ہو چکے ہیں۔ اب آپ تشریف رکھیں
مولانا غلام غوث ہزاروی: نکاح کے بارے میں کہہ دوں۔
سردار ڈوڈا خان: مولانا کو اور وقت دیجیے۔
سپیکر: نہیں نہیں (ہر ہر) ایوان میں آوازیں۔ وقت دیجیے اور ضرور دیجیے۔
سپیکر: آپ میرے فرائض میں مداخلت بالکل نہ کریں۔ میں ان کو بالکل وقت نہیں دوں گا۔ وقت ختم ہو چکا ہے۔
مولانا غلام غوث ہزاروی: میں آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بیٹھتا ہوں۔
(سپیکر کی رولنگ کے خلاف دونوں طرف کے اکثر اراکین واک آوٹ کر گئے)
سردار ڈوڈا خان: جناب سپیکر! میں اپنا وقت بھی مولانا صاحب کو دینا چاہتا۔
صاحبزادی محمودہ بیگم: پوائینٹ آف آرڈر۔ آپ مولانا سے کہیں کہ اپنے الفاظ واپس لیں
سپیکر: اجلاس کی کارروائی پندرہ منٹ کے لیے ملتوی کی جاتی ہے۔
مولانا غلام غوث ہزاروی: میں نے ان کی تاریخی روایات کو جھوٹا کہا ہے۔
سپیکر: پھر تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ باقی جہاں تک مولانا کی اس بات کا تعلق ہے کہ یہ قانون عورتوں کو بازار میں لانے کے لیے بنایا گیا ہے۔ ریزولیشن کے موضوع کو دیکھتے ہوئے میں اُسے غیر پارلیمانی تو قرار نہیں دے سکتا لیکن یہ غیر مناسب ضرور ہے۔ (قطع کلامیاں)
ڈاکٹر بیگم اشرف عباسی: چونکہ بحث شرافت کی حد سے باہر جا رہی ہے اس لیے ہم دو منٹ کے لیے باہر جاتے ہیں۔
(اس مرحلہ پر صاحبزادی محمودہ بیگم اور ڈاکٹر صاحبہ ایوان سے باہر تشریف لے جاتی ہیں)

عظیم کامیابی

چونکہ سرکاری اور غیر سرکاری بنچوں کے تقریباً تمام معزز ممبران نے مولانا کو کم وقت دینے پر احتجاج کرتے ہوئے واک آؤٹ کر دیا تھا۔ جس سے کورم ٹوٹ گیا اور سپیکر صاحب کو اجلاس ملتوی کرنا پڑا۔ اس وقت لابی میں ممبران اسمبلی کی خوشی قابلِ دید تھی، مبارک مبارک کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ مسرت سے معمور چہرے مولانا کو اپنے کاندھوں پر اٹھانے کے لیے بے تاب تھے چہرے ایسے بشاش تھے جیسے عید کا چاند نظر آگیا ہو۔ جب پندرہ منٹ گذر گئے تو تمام ممبران دوبارہ اندر چلے گئے۔ ان کے بعد جونہی مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی اسمبلی ہال میں داخل ہوئے تو سب نے تالیاں بجائیں اب سپیکر صاحب نے ایوان کی متفقہ رائے کے سامنے سرِ تسلیم خم کرکے مزید دس منٹ دیئے "لیکن اگر تقریر کی جاتی تو ووٹنگ کا وقت نہ رہتا۔ اور تحریک فیل ہو جاتی"۔ اس لیے مولانا کے ساتھ تمام اراکین نے ووٹنگ کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ ووٹنگ ہوئی۔ ایک مرد اور تین عورتوں کے سوا سب نے تجویز کے حق میں ووٹ دے کر شریعت کا احترام کیا۔ اور دو صدیوں کے بعد سرکاری ایوان میں اسلام کی فتح کا پرچم لہرا کر تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ سپیکر نے جب شریعت کی فتح کا اعلان کیا۔ تو ارکانِ اسمبلی اور سامعین نے انتہائی مسرت کا اظہار کیا، ملحدین اور پرویزی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ بے پردہ عورتوں کو منہ کی کھانی پڑی اور ان کے تمام مذموم تصورات خاک میں مل گئے۔ نہ صرف یہ کہ ملکی بلکہ لندن تک کے اخبارات کو مردِ درویش مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کی اس عظیم کامیابی پر مضامین لکھنے پڑے۔

تقریر

(یہ وہ تقریر ہے جو مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے
۱۵ اپریل ۱۹۷۳ء کو رات سوا سات بجے قومی اسمبلی کے اجلاس
کی تیسری نشست میں فرمائی اور نمایندہ "ترجمان اسلام" نے
قلمبند کی۔)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

جنابِ سپیکر : بھاول پور اور پنجاب دونوں نے ہمارا ایک گھنٹہ کھالیا ہے جب کہ اس وقت دنیا کی نگاہیں کئی کروڑ مسلمانوں کے اس معزز اور نمایندہ ایوان پر لگی ہوئی ہیں اور اس میں ہماری قوم کے لیے آئین مرتب کیا جا رہا ہے بلاشبہ ہم آئین میں ترمیمیں نہیں کر سکتے۔ ترامیم وزیر قانون ہی کریں گے۔ لیکن پھر بھی ہمیں اس کے حُسن و قبح پر بحث کر کے ان کے سامنے اپنی باتیں پیش کرنی ہیں۔

اوامر و نواہی اور اصلاحات

جناب صدر ! ہمیں قرآن پاک نے اوامر و نواہی کا پابند کیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اور قوم کی طرف سے اس ایوان پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اس لیے بھی کہ یہ معزز ایوان اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ عزت و نصرت اور مدد اللہ کی طرف سے ہے۔ لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دستور میں اس (قرآن پاک) کے ساتھ اس کے شایان سلوک نہیں کیا گیا اور قرآنی اوامر و نواہی کو بھی تحفظ نہیں دیا گیا جب کہ اصلاحات کو تحفظ دیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ ان سب سے زیادہ تحفظ کے مستحق ہیں۔ اس طرف بعض معزز ممبران نے بھی اشارہ کیا ہے اور جب تک ہمارا معاشرہ خراب ہے اس

وقت تک اس کی کوئی ضمانت نہیں ہوگی اور اس پر عمل بھی نہیں کیا جائے گا۔
یہی وجہ ہے کہ ہم لوگوں کو اس وقت مشرقی پاکستان کے المیہ سے بے حد تکلیف ہوئی ہے۔ چاہے وہ فوجی ہو یا دوسری ——— سات کروڑ بنگالیوں نے تکلیف پہنچائی ہے۔ اسی لیے میں اسکو صحیح معنوں میں شکست نہیں کہتا۔ لیکن دنیا کی نگاہوں میں حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا ہے اس لیے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ اور جب ہم باہر (مشرقِ وسطیٰ کے دورہ پر) گئے تو لوگ پوچھتے تھے کہ کہاں سے آئے ہو ؟ ہم پہلے تو بتا دیتے تھے۔ لیکن بعد میں ٹال دیتے تھے۔ کیونکہ دوسرا سوال جنگ کا ہوتا تھا۔ ان تلخ حقائق کے پیدا ہونے کی وجوہات کا بھی یہی تقاضا ہے کہ ہمیں قرآنی اوامر و نواہی کو (آئین میں) زیادہ جگہ دینی چاہیے۔ محض اسلامی جمہوریہ کہنے سے تو پاکستان اسلامی جمہوریہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اسلامی کہنے سے کوئی آئین اسلامی ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح سکولوں اور کالجوں میں دینی تعلیم کی اہمیت پر جتنا بھی زور دیا جائے کم ہے۔ کیونکہ جب تک اسلامی اخلاق اور اسلامی تربیت نہ ہوگی تو کراچی جیسی (ملکس بے کا واقعہ) فحش حرکتیں بند نہیں ہو سکیں گی۔
جناب صدر! ہمارے بعض بزرگوں اور ممبران اسمبلی نے کچھ اصلاحات شریعت کے عین مطابق بتائی ہیں۔ اس قسم کی اصلاحات اگر شرعی ہیں تو ان کو تحفظ ملنا چاہیے۔ اور اگر وہ ان اصلاحات میں شریعت کا آسرا لیتے ہیں تو اس میں بلاشک تین ماہرین قانون اور تین بلند پایہ علماء کرام کی ایک کمیٹی مقرر کر دیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کرے۔ اس طرح جو شرعی تحفظ ان (اصلاحات) کو حاصل ہوگا وہ زیادہ مضبوط ہوگا۔

عائلی قوانین

جناب والا! تحفظات میں عائلی قوانین بھی شامل ہیں۔ اس سلسلے میں

مولانا مفتی محمود صاحب نے (ایوب خان کے دور میں) قومی اسمبلی میں تقریر فرمائی تھی اور پُورے طور پر (قرآن و سنّت اور اجماع امت کی روشنی میں) ثابت کیا تھا کہ یہ ناجائز ہیں۔ مَیں حیران ہوں کہ عائلی قوانین کو (عبوری آئین میں) اتنا تحفظ دیا گیا ہے ۔۔۔ کہ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں بھی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا اور نہ کوئی احتجاج کیا جا سکتا ہے۔

مذہبی آزادی

جنابِ والا ! یہودی ہو یا عیسائی اس کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری اجازت ہے، لیکن مسلمان کو اپنے مسائل اور مذہب پر عمل کرنے کی اجازت نہیں اور نہ ہی اس کو اپنے مسائل کے مطابق آزادی حاصل ہے۔ اگر یہ مذہبی آزادی غلط ہے تو مذہبی آزادی کا نام نہ لیا جائے اور اگر یہ صحیح ہے تو مسلمان قوم کو کیوں اس سے محروم رکھا گیا ہے۔

جنابِ والا ! حکومت اگر چاہتی تو یہ کر سکتی تھی کہ بلند پایہ عُلماءِ کرام کا ایک اجلاس بلاتی اور اس میں اس قانون کے متعلق بحث ہوتی اور میرے خیال میں دنیا بھر کے دساتیر میں ایسے قانون کو تحفظ نہیں دیا گیا ہے۔ میں عرض کروں گا کہ مشرقی و مغربی پاکستان میں ان قوانین کے خلاف زبردست احتجاج کیا گیا۔ آخر عوام نے پاکستان کے اعلیٰ مفاد کی خاطر بردباری اور تحمل سے کام لیا۔ انہوں نے انتخابات کا انتظار بھی کیا اور اس ایوان کا بھی ۔۔۔۔۔ لیکن اب اس معزز ایوان میں ان کے جذبات کو ٹھیس پہونچی ہے۔ کیونکہ وہ اس کو مذہب میں مداخلت سمجھتے ہیں۔ اس لیے حکومت کو دستور کے اس حصے پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے۔ تعجب ہے کہ دوسری قوموں کو تو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہے۔ لیکن مسلمانوں پر پابندی ہے۔

ذریعہ معاش

جناب صدر! اس دستور میں ذریعہ معاش کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور یہ حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے امیر و غریب کو اس قانون کے ذریعے بڑی حد تک برابر رکھا ہے۔ اگرچہ بعض چیزیں تحقیق طلب ہیں اور کچھ اصلاح طلب بھی ہو سکتی ہیں۔ لیکن میں عرض کروں گا اور اس معزز ایوان سمیت آپ کے نوٹس میں بھی یہ بات لاؤں گا کہ سوات، دیر، بالاکوٹ، کاغان اور بٹگرام وغیرہ کے لاکھوں مسلمان بکریاں پال کر گزر اوقات کرتے ہیں۔ اس قانون کے تحت ایوب خان کے زمانہ میں یہ پابندی لگادی گئی تھی کہ بھیڑیں پالیں، بکریاں نہ پالیں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ بھیڑ پالو، بکری نہ پالو، خچر پالو، گھوڑا نہ پالو، گدھا پالو، گدھی نہ پالو۔ یہ کوئی قانون ہے! کہ جس کا معیشت پر یہ اثر پڑے کہ سو سو روپے کی بکری پانچ پانچ روپے میں نیلام ہو۔ جس کی وجہ سے عوام کی زندگیاں تباہ ہو کر رہ جائیں۔ میں نہیں جانتا کہ محترم عبدالقیوم خان نے بھی اس کے خلاف جو اپیل کی تھی۔ آیا وہ رٹ خارج ہوئی ہے یا واپس لی گئی ہے۔ اس سے تھوڑا عرصہ آرام رہا اور اب وہی تکلیف دوبارہ شروع ہو گئی ہے اور صوبے کے لوگ موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اس واسطے ذریعہ معاش کے سلسلے میں ایوان کو ایک ایسا ٹھوس قدم اٹھانا چاہیے کہ جس سے یہ کمی پوری ہو جائے۔

آرڈی ننس

جناب صدر! اس اجلاس میں ایک بات محترم وزیر قانون نے فرماتی ہے کہ گورنر اور صدر آرڈی ننس جاری کر سکتے ہیں۔ اس آرڈی ننس کو آنے والے اجلاس میں منظوری کے لیے پیش کیا جائے گا اور اس پر کسی نے یہ بھی فرمایا کہ جب تک یہ منظور

نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر عمل بھی نہ ہو۔ میں عرض کروں گا کہ یہ بات تشنہ ہے کہ جب صدر یا گورنر آرڈی ننس جاری کریں گے اور وہ اسمبلی میں منظوری کے لیے اس لیے پیش ہو گا کہ اس کو قبول کرے یا رد کرے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا اسمبلی اس میں ترمیم کر سکے گی یا نہیں کیونکہ جب ہم ون یونٹ کے وقت کی اسمبلی میں اس پر بحث کرتے تھے تو ہمیں یہ کہہ دیا جاتا تھا کہ ترمیم نہیں کی جا سکتی۔ منظور کرو، یا رد کرو۔

میاں محمود علی قصوری : جناب والا! عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آئین میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ اس میں ترمیم اور تنسیخ ہو سکتی ہے اور ایسا کرنے کا اسمبلی کو اختیار ہے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : میرے علم میں یہ نہیں ہے کہ ایسی کوئی شرط آئین میں موجود ہے۔ پہلے یہ کمی تھی کہ پہلے والے قانون میں ترمیم نہیں کی جا سکتی تھی۔

مسلمان کی تعریف

جناب والا! اس ایوان میں مسلمان کی تعریف پر بھی بحث ہوئی ہے۔ میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس پر کچھ روشنی ڈالوں۔

جناب والا! کسی شخص کے یہ کہہ دینے سے کہ دو، تین یا چار بیانات میں تضاد موجود ہے۔ یہ لازم نہیں آتا کہ مسلمان کی تعریف نہیں کی جا سکتی، یا مسلمان کی تعریف نہیں کرنی چاہیے۔ میں صفائی کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہمارا کوئی فریق قطعاً نہیں چاہتا کہ ہمارا صدر کیمونسٹ یا مرزائی ہو۔ مسلمان کی تعریف آگے کر دی جائے گی۔ پہلے میں موجودہ آئین کے متعلق ان وکلاء اور بیرسٹروں سے یہ پوچھتا ہوں کہ جب دستور و آئین میں مسلمان کا لفظ آ گیا ہے اور اس سلسلے میں آئندہ صدارتی انتخاب میں نزاع بھی ہو سکتا ہے۔ تو کیا مسلمان کی تشریح ضروری نہیں؟

جہاں تک اُمّید وار کے کھڑا کرنے کا سوال ہے۔ اس سلسلہ میں یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہے یا نہیں —— اگر یہ جھگڑا صدارتی انتخاب کے وقت ہائی کورٹ میں جاتا ہے تو ابھی سے مسلمان کے معنی کیوں نہ متعین کر لیے جائیں۔ اس سلسلے میں —— میں گزارش کروں گا کہ خدا کے رسُول حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس شخص کا آخری کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ یہاں محمد رسُول اللہ بھی نہیں فرمایا گیا۔ حالانکہ اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین خدا کو تو مانتے تھے لیکن اس کے ساتھ شریک بھی بناتے تھے۔ تو لا الٰہ الا اللہ یعنی خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ کہنا اس بات کی علامت تھی کہ کہنے والے نے پورا دین اسلام قبول کر لیا ہے۔ اسی طرح سرورِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھی وہ مسلمان ہے" اس کا بھی مطلب یہ کہ نماز اسلام کی علامت ہے۔ اس لیے جب کوئی نماز پڑھے گا تو ہم اُسے مسلمان کہیں گے۔ لیکن اگر وہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی بننے یا کسی کو نبی ماننے کا عقیدہ رکھے تو ہم اُسے کفر کی علامت کی وجہ سے کافر کہیں گے۔ اسی طرح نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہٖ مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ ہوں۔ یہ بھی صرف مسلمان کی علامت ہے کہ وہ دینِ اسلام کو قبول کرنے والا ہے۔

ایک معزز ممبر —— پوائینٹ آف آرڈر —— جنابِ والا! کیا دنیا کے کسی دستور میں ہے کہ ملک کا سربراہ مسلمان ہو اور مسلمان کے حقوق کا تحفظ کرے۔

چیئرمین چوہدری فضل الٰہی: یہ سوال تو مولانا صاحب سے کیجیے جنھوں نے یہ کہا ہے۔

مداخلت

چوہدری فضل الٰہی: یہ پوائینٹ آف آرڈر نہیں ہے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : جناب والا ! عرب ممالک کے دساتیر میں درج ہے کہ ہمارا سرکاری مذہب اسلام ہے اور ہمارا مطلب بھی یہی ہے کہ ہمارے آئین کی پہلی دفعہ میں یہ ہونا چاہیے کہ "پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہے"۔ میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ مصر و حجاز وغیرہ میں مرزائیت اور کمیونزم خلافِ قانون ہیں۔

میاں محمود علی قصوری : جناب والا ! فرقہ بندی کی باتیں نہیں ہونی چاہیے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : آپ مجھے تقریر کرنے دیں۔

چیئرمین چوہدری فضل الٰہی : لڑائی بند کرو "یار"

ڈاکٹر محمود حسن بخاری : نیچے کتابیں رکھی ہیں، ان کا جواب ان کتابوں سے مل جائے گا

مسٹر احمد رضا قصوری : جناب والا ! مولانا صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا ہے کہ صدر مسلمان ہونا چاہیے، اب اگر مسلمان مسواک کرتا ہو تو آج کل ٹوتھ پیسٹ ہے

مولانا غلام غوث ہزاروی : جناب صدر ! یہ مذاق ہے میں اس کے خلاف احتجاج کرتا ہوں۔ اس کو ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ اسلام کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ احمد رضا صاحب اپنے الفاظ واپس لیں۔ یہ سنت کی توہین ہے یہ بے شک ولائتی برش استعمال کریں۔ اور ہم مسواک استعمال کریں گے میں نے مسلمان کی تعریف میں یہ نہیں کہا کہ مسلمان وہ ہے جو مسواک کرے۔

چوہدری فضل الٰہی : آپ ایک منٹ کے لیے تشریف رکھیے۔ تھک گئے ہوں گے۔ احمد رضا صاحب !۔۔۔ آپ اپنے الفاظ واپس لیں۔ یہ سنت کی توہین ہے۔ سوال یہ ہے کہ مذہب کا معاملہ ہے۔ اس لیے ایسا مذاق نہیں ہونا چاہیے۔

مسٹر احمد رضا قصوری : میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : ایمان کے لفظی معنی بیان کرنے میں مسلمان کی تشریح ضرور ہو گی۔ اگرچہ آپ اس کا مذاق اڑائیں اور اس کی صحیح تشریح کریں یا نہ کریں۔

(گیلری میں شور وغل)

مسٹر چیئرمین : جو خواتین و حضرات گیلریوں میں بیٹھے ہیں میں اُن کو اسمبلی کے قواعد سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہ وہ نہ تو تالیاں بجائیں، نہ کسی قسم کی کوئی نعرہ بازی کریں اور نہ ہی کوئی بات کریں۔ خواہ اسمبلی کی کارروائی کچھ بھی ہو۔ خاموشی سے سننی چاہیے۔ (مولانا غلام صاحب ہزاروی کی تقریر کے دوران گیلری میں موجود لوگوں نے نعرے لگائے اور خوب تالیاں بجائیں۔ اس لیے سپیکر صاحب کو یہ حکم دینا پڑا)

ڈاکٹر محمود حسن بخاری : حضورِ والا ! ہمارے مولانا صاحب جن کا میں بڑا احترام کرتا ہوں انھوں نے کہا ہے کہ آئین میں لفظ "ایمان" کی تعریف نہیں ہے۔ میں ان کا بڑا احترام کرتا ہوں اور ہمارے سر اُن کے سامنے عزت سے جھک جاتے ہیں میں یہ عرض کرتا ہوں حضورِ والا۔

مسٹر چیئرمین : آپ تقریر کرنا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر محمود حسن بخاری : جی نہیں تھوڑا سا بیان کرنا ہے۔

چوہدری فضل الٰہی : تو پھر آپ تشریف رکھیں۔

مولانا غلام غوث ہزاروی :۔ صدر محترم ! میں مسلمان کی تعریف کے متعلق کچھ عرض کر رہا تھا۔ ایک حدیث سنا دوں "سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ اگر تم کسی گاؤں میں جنگ کے لیے جاؤ۔ اور صبح کے وقت اذان کی آواز آئے تو حملہ نہ کرنا اور اگر اذان کی آواز نہ آئے تو حملہ کر دینا"

میری مراد یہ ہے کہ جو لوگ اس قسم کی تعریفیں کرنے کا مذاق کرتے ہیں وہ مجھے بتائیں کہ سرورِ کائنات علیہ السلام نے مختلف اوقات میں مختلف باتیں بتائیں اور مسلمان کی تعریف کی (یہ تضاد بیانی نہیں ہے دراصل یہ سب اسلام کی علامتیں

ہیں) لیکن اب بھی ہم یہ کہتے ہیں مسلمان کون ہے اور کون نہیں۔

میں قرآن وحدیث کے ذریعے یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ خدا اور رسولؐ کی تمام باتوں کو جو شخص دل سے سچا جانے اور سچا مانے یہ اسلام ہے اور اسی کا نام تصدیق ہے اور اگر کوئی شخص خدا اور رسول کی کسی ایک بات کو بھی تسلیم نہیں کرتا، یعنی سچا نہیں مانتا وہ اسی وقت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ دراصل اسلام اور کفر تصدیق اور تکذیب کا نام ہے۔ تصدیق و تکذیب دل کی صفات ہیں۔ جو معلوم نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے دل کی بات پر ظاہری طور سے نشانات مقرر کر دیے گئے ہیں۔ مثلاً ایک شخص نماز پڑھتا ہے۔ میں اس کو مسلمان کہوں گا۔ ہاں! نماز کے بعد اگر وہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی آئے گا تو میں کہ سکتا ہوں کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔

اگر ایک شخص کلمہ پڑھتا ہے۔ السلام علیکم کہتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا

جو تمہیں سلام کہے اُسے یہ نہ کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو

میں اس کو مسلمان سمجھوں گا اور وعلیکم السلام کہوں گا۔ اس کے بعد اگر یہ پتہ لگ جائے کہ یہ فرشتوں یا تقدیر کا منکر ہے تو میں کہوں گا کہ یہ مسلمان نہیں ہے

مسٹر چیئرمین چوہدری فضل الٰہی: اس مسئلہ کی کافی وضاحت ہو چکی ہے۔ یہاں آئین کے نافذ کرنے کا سوال ہے۔

مولانا غلام غوث ہزاروی: اس دستور میں کئی ایسی چیزیں ہیں جن میں حکومت والوں کو اختیار ہے جو قانون چاہیں بنائیں اور تحفظ دیں۔ لیکن جن کا تعلق شرعی احکام سے ہے۔ اس میں ذمہ دار علماء کرام کا مشورہ ضروری ہے۔ اگر اس میں ذمہ دار

ماہرین قانون موجود ہیں تو ہمیں اس سے انکار نہیں۔

(جب جناب کوثر نیازی نے مشاورتی کونسل میں علماء کو شامل کرنے کا ذکر کیا۔ تو ملک جعفر نے مخالفت کی اور کہا کہ اسلامی تاریخ میں کہیں علماء کی کمیٹی کے قیام کا ذکر نہیں ہے)

مولانا غلام غوث ہزاروی: پوائنٹ آف آرڈر انھوں نے فرمایا ہے کہ اراکین اسمبلی میں سے عالم لیے جا سکتے ہیں۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ عالم کے معنی ہیں جاننے والا — اگر کوئی شخص اس سے جاہل ہے وہ کس طرح دینی امور کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ میں یہ اضافہ اور کروں گا کہ وہ مرزائی قطعاً نہ ہو۔

(ایک ممبر خاتون ننگے سر کسی اور ہی انداز سے تقریر کر رہی تھیں۔ اس پر مولانا ہزاروی اٹھے)

مولانا غلام غوث ہزاروی: — جناب سپیکر! محترمہ آئینی باتوں سے باہر جا رہی ہیں۔ جو بیان زیر بحث نہیں انھیں روک دیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کو حکم دیں کہ سر ڈھانک کر تقریر کریں۔ اس میں محترمہ کی بھی عزت ہے اور ایوان کی بھی۔

مسٹر چیئرمین فضل الٰہی: یہ تو کوئی پوائنٹ آف آرڈر نہیں ہے میں کیا کروں۔

(ایک ممبر خاتون یوں گویا ہوئیں کہ میں ۴۹ فی صد عورتوں کی نمائندہ ہوں۔ پھر کیا تھا۔ مولانا کھڑے ہوئے۔)

مولانا غلام غوث ہزاروی: — جناب صدر! محترمہ نے ۴۹ فی صد کی نمائندگی کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ یہ ایک فی صد کی نمائندہ ہیں۔ کیونکہ باقی سب عورتیں گھروں میں بیٹھی ہیں۔

(ایک اور صاحب اٹھے انھوں نے قرآنی آیات ہی غلط پڑھ ڈالیں۔ پھر بھلا مولانا کی رگ حمیت بھڑکے بغیر کیسے رہ سکتی تھی)

مولانا غلام غوث ہزاروی : جناب صدر! یہ قرآن کی آیات غلط پڑھ رہے ہیں

مولانا عبدالحکیم (مولانا ہزاروی کی تائید میں) : جناب صدر! قرآن کو زیر زبر کا لحاظ رکھ کر پڑھنا چاہیے۔ اپنی طرف سے اس طرح نہیں پڑھا جا سکتا۔

مثلاً ایک شخص اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ کی جگہ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡہِمۡ یعنی زبر کی بجائے قصداً پیش پڑھے گا تو کافر ہو جائے گا۔

قومی زبان

جب انگریزی میں لکھا ہوا عبوری آئین کا مسودہ مولانا ہزاروی کو دیا گیا تو اس پر آپ کھڑے ہوئے۔

جناب سپیکر! پرسوں میں نے ڈپٹی سیکرٹری سے عرض کیا تھا کہ دفتر سے ہمیں یہ ہدایت ملی ہے کہ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ان کے پاس اردو زبان میں تحریریں پہنچیں وہ ہم کو لکھ کر دیں میں نے لکھ کر دیا۔ اس کے بعد پرسوں میں نے ان سے عرض بھی کیا اور شکایت بھی کی اس پر وہ وعدہ بھی فرمانے لگے کہ آیندہ آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ لیکن آج ہم کو جو ترمیم کی کاپی پہونچی ہے وہ انگریزی میں ہے۔ اس پر ہم کیا غور کر سکتے ہیں تو اس لیے عرض ہے کہ قومی زبان کے ساتھ اتنی بے اعتنائی کرنا اس ایوان کے شایان شان نہیں ہے

مسٹر چیئرمین فضل الٰہی : یہ تو پہلے یقین دہانی کرائی جا چکی ہے کہ آیندہ جو بھی دستاویزات اسمبلی کے دفتر سے ممبران کے پاس جائیں گی وہ جس زبان میں۔ یعنی اردو میں یا انگریزی میں۔ چاہیں گے اسی زبان میں ان کو وہ تحریریں روانہ کر دی جائیں گی۔ لیکن اس دفعہ چونکہ وقت بہت تھوڑا ہے تو یہ دقت اسی سیشن میں تھی۔ اس کا حل جو پہلے دن

تلاش کیا گیا وہ یہ تھا کہ میاں محمود علی قصوری لا منسٹر اردو میں تراہیم کے متعلق بتائیں گے کہ وہ کیا ترامیم ہیں آپ (مولانا ہزاروی) ایسے تجربہ کار اور پارلیمنیٹر کے متعلق میرا یہ خیال ہے کہ آپ ویسے بھی انگریزی سمجھ لیتے ہیں اور اگر ترجمہ نہ بھی کیا جائے تو آپ کو دقت نہ ہوگی۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : یہ ایک اصولی بات ہے۔

مسٹر چیئرمین : وہ آیندہ کے لیے یقین دہانی ہے۔ آیندہ جو اسمبلی کا سیشن ہوگا اس میں ایسا ہی ہوگا۔ لیکن تین دن کے چھوٹے سے سیشن میں یہ نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا غلام غوث ہزاروی : یعنی ہم کو جو پہلے یقین دہانی کرائی گئی تھی ہم اس کو معاف کر دیں۔

مسٹر چیئرمین : یقین دہانی آیندہ کے لیے ہے اس سیشن میں تو معافی مانگی گئی تھی اور آپ نے معافی دے دی تھی۔ اب کچھ فرما دیں کہ آپ کی کیا ترامیم ہیں۔

صوبائی زبان

ایک ممبر صاحب پشتو زبان میں تقریر کی اجازت چاہتے مگر ان کو اجازت نہیں مل رہی تھی اس پر مولانا مدظلہ نے فرمایا :

اردو زبان کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے وہ تو ہے ہی۔ اگر اُن کو پشتو میں بولنے کی اجازت دی جائے تو اس میں کیا حرج ہے ؟ (جب کہ غیر قومی زبان انگریزی میں بھی تقریریں ہو رہی ہیں) قومی زبان اردو اس وقت یہاں استعمال نہیں ہو رہی ہے۔ (اگر انگریزی کی اجازت ہے تو صوبائی زبانوں میں کیا حرج ہے ؟)

نوائے انقلاب

مولانا غلام غوث ہزاروی

کے

انٹرویوز اور تقاریر کا مجموعہ

عزیز پبلیکیشنز

۵۶۔ میکلوڈ روڈ، لاہور